Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

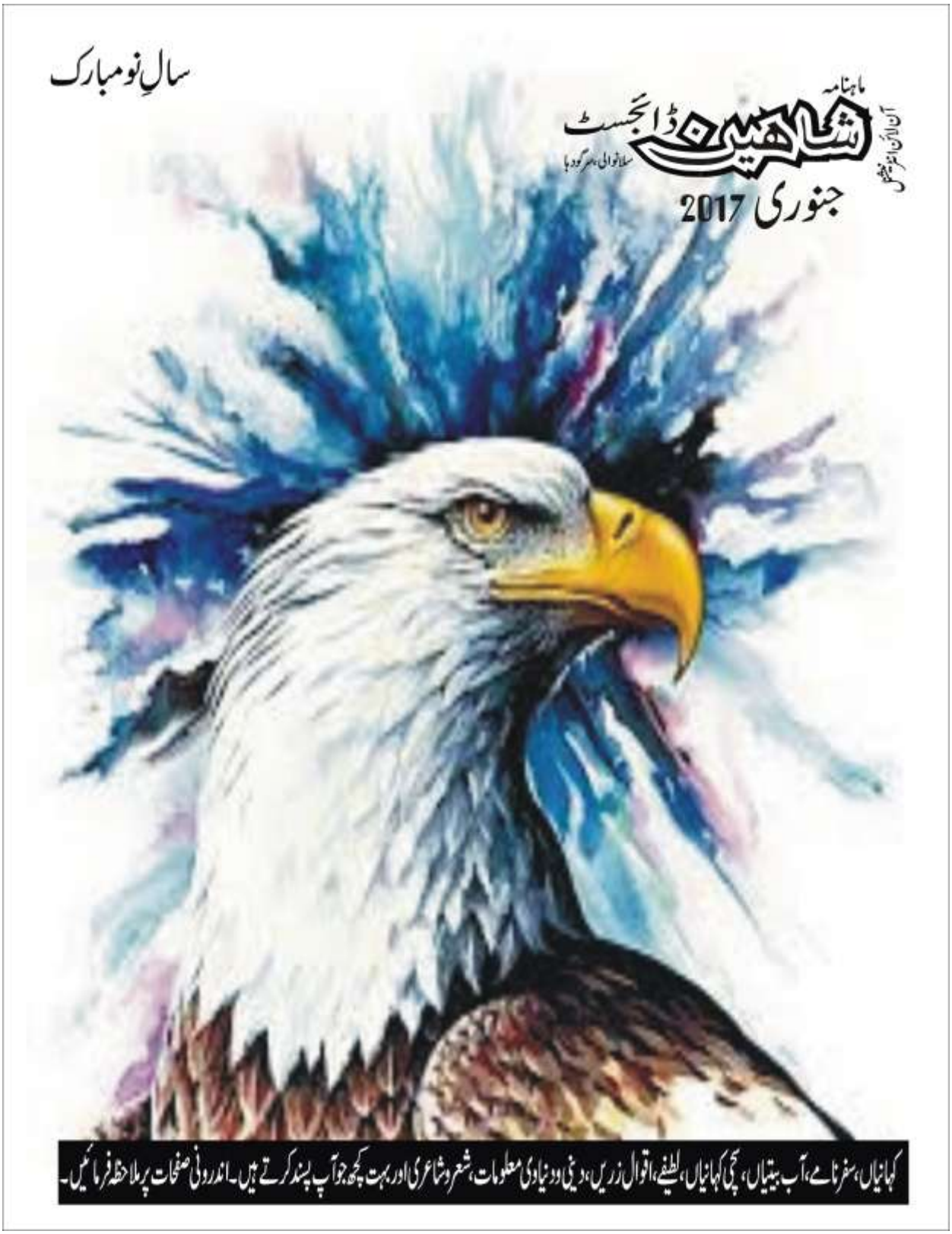

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

اسلامی صفحہ 03

فاصلے ضروری تھے 04
راشد لطیف

تھوڑی سی بے وفائی 10
ضرغام محمود

سڑک 21
مجید احمد جائی

عشق زادے 25
علی حسنین تابش

ڈر 33
محمد خالد شاہان

بیت بازی 68
قارئین

بدقسمت 70
محمد ابوہریرہ بلوچ

شیطانی طاقتیں 78
طاہر عباس

الدیوان چارپائی سٹور کچہری موڑ تحصیل سلانوالی ضلع سرگودھا پنجاب پاکستان 0306-9034595

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

اسلامی صفحہ

☆ ذات الٰہی ایک ہے جو ازلی اور ابدی ہے، یعنی ہمیشہ رہے گی۔ اس کی ذات میں بیشمار صفات ہیں۔ یہ صفات اسی ذات میں ہمیشہ سے موجود ہیں یعنی اس کی صفات بھی اس کی ذات کی طرح ازلی، ابدی اور قدیم ہیں۔ اس ذات جیسا کوئی اور نہیں کیونکہ وہ واحد ہے یعنی اس کی ذات صفات، افعال اور احکام اس کا کوئی شریک نہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے۔ عبادت اور پرستش کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں کیونکہ اللہ وہ ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پروردگار عالم نے خود بھی فرمایا ہے کہ ''میری عبادت کرو کیونکہ میں عبادت کے لائق ہوں۔'' اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا غلط ہے۔ ہر نبی اور پیغمبر کی زبان نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ سورۂ بقرہ میں ہے کہ ''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اور ان کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ'' (البقرہ:۲۱) ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے'' (الذاریات:۵۶) ہر طرح کی عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ موجود ہے یعنی اس نے خود ہی اپنے ہونے کے دلائل دیئے ہیں۔ اس کا ہونا عین برحق ہے۔ اللہ وہ ہے۔ جس نے ہمارے لیے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ جس نے زمین و آسمان کو بنایا، یہی زمین و آسمان اس کے ہونے کی گواہی اور دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''ہم نے زمین پھیلائی ہے اور اس میں پہاڑوں کو مزین کیا اور اس میں ہر چیز کو مناسب طریقے سے اگایا ہے۔ (سورۃ الحجر:۱۹) مزید ارشاد ہے کہ ''اللہ وہ ہے جو بارش آنے سے پہلے آگے آگے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا ہے تاکہ ہم اس سے ایک مردہ بستی کو زندہ کریں اور جو چوپائے ہم نے پیدا کیے ہیں تاکہ وہ اس سے سیراب ہوں۔ (الفرقان:۴۸، ۴۹) معلوم ہوا کہ زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، ہوائیں، سمندر، پہاڑ، دریا گویا کہ کائنات کی ہر چیز اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔

☆ ذات الٰہی سلسلہ تولید سے پاک اور منزہ ہے، اسے کسی نے پیدا نہیں کیا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے بلکہ خود ہی سے ہے۔ پھر وہ خود ہی جانتا ہے کہ وہ کیا ہے مگر اس نے خود ہی فرمایا ہے کہ ''اے محبوب فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کے برابر کوئی نہیں ہے۔''

(کتاب کا نام ''سنی بہشتی زیور (کامل)'' بشکریہ ادارہ پیغام القرآن ۴۰-اردو بازار لاہور)

معزز قارئین کرام! اگر آپ ہمارے صفحہ دین اسلام میں کچھ لکھ کر بھیجنا چاہتے ہیں تو آج ہی قلم اٹھائیے اور لکھ کر بھیجئے لیکن اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ جو بھی بات دین کے حوالہ سے بھیجی جائے اس میں کتاب کا نام، حوالہ، صفحہ نمبر سب کچھ لکھا ہونا چاہیے۔ ایڈیٹر

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

Downloaded from https://paksociety.com

''فاصلے ضروری تھے''

راشد لطیف۔ملتان

اماں !مجھے معاف کر دو۔اماں !اس نے زارو زار روتے ہوئے اپنی ماں کے پاؤں پکڑلیے۔اور آنسوؤں کے درمیان سب کچھ اُسے بتا دیا۔اب رونے کی باری اُس کی ماں کی تھی۔وہ اپنا سر پکڑ کر رونے لگی۔انعم کو رہ رہ کر پچھلی باتیں یاد آنے لگیں۔

ادارے کی پالیسی کے مطابق نام اور مقامات سب فرضی ہیں کسی قسم کی مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی۔ایڈیٹر

موسم نے اچانک ہی رُت بدل لی تھی۔اُسے سب کچھ سیراب بن بکھرتا نظر آیا۔وہ چیخنا چاہتی تھی مگر آواز کہیں دُور حلق میں ہی پھنس کر رہ گئی تھی۔بہار جیسی خوب صورت پُرسکون اور حسین زندگی کے سرسبز پتے ،اُس نے خود ہی نوچ ڈالے تھے۔اب خزاں رسیدہ درخت کی مانند حیران و پریشان تھی، بے یقینی کی اتھاہ گہرائیوں میں خود کو ڈوبتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

جن راستوں کو وہ عیش پرستی اور آزادی سمجھتی تھی۔اُنہی راستوں کی پُرخار جھاڑیوں نے اُسے بُری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا۔اُسے لگ رہا تھا کہ۔۔۔۔اگر ان جھاڑیوں سے نکلنے کی کوشش کی تو اُن کے سخت اور نوکیلے کانٹے اُس کے پُورپُور کو زخمی کر دیں گے۔اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ لوگ کتنی ہوشیاری سے چہرے بدل بدل کر سامنے آتے ہیں اور معصوم اور سیدھے سادے لوگ کتنی آسانی سے ان کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔

دُور کہیں اُس کی سماعتوں میں اپنی ماں کی آواز کی بازگشت سُنائی دی۔

''بیٹا''ہمیشہ اپنی حیثیت کے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنا۔پھر کہیں سے بابا کی پُرشفقت نصیحت سُنائی دی۔

''بیٹا''تعلق میں ہمیشہ اعتدال رکھنا۔

الفاظ بہت سادہ اور عام سے تھے مگر بہت طاقت ور تھے۔جو کئی پُرفریب مناظر کا نقاب چاک رہے تھے۔اُس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

ایک کھلکھلاتی ہوئی شوخ لڑکی اس کے سامنے آ کھڑی۔

دوستی کروگی۔؟ کچھ جھجکتے ہوئے اُس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔جیسے نو دارو نے گرم جوشی سے تھام لیا۔

''مجھے مصباح کہتے ہیں۔''اور میرا نام انعم ہے۔دوستی کا آغاز ہوا تو پھر پتا ہی نہ چلا ۔تمام حدود کو کراس کرتے ہوئے پہلے ان کی دوستی کالج میں مشہور ہوئی پھر پتا ہی نہ چلا ،تمام فاصلوں کو چھوڑ کر گھروں میں آنا جانا شروع ہو گیا۔

اُن دونوں کے معیار میں بالکل بھی توازن نہ تھا۔مصباح بہت امیر فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔اُن کے گھر کا ماحول بھی بہت ایڈوانس تھا۔کسی بھی قسم کا گھٹیا فیشن کرتے ہوئے اُسے کوئی عار محسوس نہ ہوتی، نہ ہی کوئی روک ٹوک ہوتی۔جبکہ انعم ایک متوسط اور سفید پوش طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔اسی لیے پہلے پہل مصباح سے دوستی میں وہ کچھ ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی مگر بہت جلد مصباح کے بے تکلف ہونے کی وجہ سے اس کا احساس کم مائیگی جاتا رہا۔

مصباح کو گھر سے بلا روک ٹوک کہیں بھی جانے کی اجازت حاصل تھی۔جبکہ انعم کے والدین اولاد کو حدود میں رکھنے کے قائل تھے۔انعم والدین کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد تھی جبکہ مصباح کے علاوہ سید عالم مراد کا ایک بیٹا آفتاب عالم بھی تھا۔

مصباح جب پہلی بار انعم کے گھر آئی تو انعم کے سیدھے سادے والدین اُسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔شولڈر کٹ بال، باریک سا رسی نما دوپٹہ گلے میں بے پروائی سے جھول رہا تھا۔پاؤں میں دو تسموں سے بنی ہوئی لمبی سی ہیل کی سینڈل اور جینز کے اوپر ہاف آستینوں والی شرٹ اس کے وجود کو نمایاں کر رہی تھی۔مصباح کے جانے کے بعد انعم کے والدین نے اُسے سختی سے منع کر دیا کہ وہ مصباح سے دوستی ختم کر دے مگر وہ انعم ہی کیا جو پیچھے ہٹتی۔

Downloaded from https://paksociety.com

انعم، مصباح کے بنگلے ''عالم ولاز'' سے بہت متاثر تھی۔ پھر نوکروں کی فوج اور ہر چیز سے ٹپکتی امارت سے وہ خصوصی مرعوب ہو چکی تھی۔ جتنی جلدی ان کی دوستی میں پختگی آئی تھی۔ اُس سے کہیں زیادہ جلدی مصباح نے اُسے اپنے رنگ میں تقریباً رنگ لیا تھا۔

یار! یہ کیا جبہ سا پہن کر آ گئی ہو اتنی گرمی میں۔۔۔؟ انعم ایک دن مصباح کے گھر آئی تو مصباح نے اس کے گاؤن کو دیکھتے ہی کہا تھا۔

مصباح! تمھیں پتا تو ہے۔ میرے امی ابو کا۔

کسی طرح آ تو گئی ہوں۔ یہ گاؤن نہ پہنتی تو امی نے آنے بھی نہیں دینا تھا۔ اُس نے وجہ بتائی۔

عجیب ہو یار! اتنی گوری رنگت اور اتنی پیاری شکل ہے پھر کیوں چھپاتی ہو خود کو''

انعم خاموشی سی گاؤن اُتارنے لگی۔ وہ واقعی اتنی خوب صورت تھی کہ اُس کا حسن منصوعی چیزوں کا محتاج نہ تھا۔ مصباح جیسی لڑکی بھی اس پر رشک کیے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''یار! تمھارے لئے ایک گڈ نیوز ہے'' مصباح نے جوش سے کہا تھا جبکہ انعم سوالیہ نشان بن گئی۔

سنو! میری سالگرہ ہے اور تم نے ڈانس کرنا ہے او کے۔۔۔؟ اُس نے بلا جھجک تحکمانہ لہجے میں عجیب سی خواہش کی تھی۔

مگر یار مجھے ڈانس کب آتا ہے۔

ڈونٹ وری، تم فکر نہ کرو۔۔۔ میں تمھیں سب سیکھا دوں گی۔

مگر یار! میری امی بابا کو پتا چل گیا تو۔۔۔ وہ جز بز سی ہو رہی تھی۔

کم آن یار! میں تمھاری امی کو ڈانس کی سی ڈی نہیں بھجواؤں گی کہ اُنہیں پتا چلے۔ اور اگر تم ان کو پارٹی پر ساتھ لے آؤ تو الگ بات ہے اس نے کندھے اُچکا کر کہا تھا۔ اُس کے بغیر اصرار پر اُسے ہار ماننی پڑی آخر وہ اس کی خاص سہیلی جو بن چکی تھی۔

اُس نے اپنے تئیں ایک اچھے اور معیاری سوٹ کا اپنے لیے انتخاب کیا اور پریس کر کے بیگ میں رکھ دیا۔ جلدی سے ناشتہ کیا اور چہرے کی لیپا پوچی کر کے گاؤن پہنا۔

''اچھا ماں! میں جا رہی ہوں کالج، اُس نے نقاب لگا کر کہا تا کہ چہرہ اماں کو نظر نہ آ سکے۔

اللہ حافظ! بیٹا! دھیان سے جانا اور سیدھی گھر آنا۔ اس کی مما نے روٹی ڈالتے ہوئے اُسے ہدایت دی۔ وہ تیزی سے باہر نکل آئی، رکشہ پکڑا اور ''عالم ولاز'' کا ایڈریس بتا کر رکشہ میں بیٹھ گئی۔ دس منٹ بعد وہ ان کے چوڑے گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ میوزک اور قہقہوں کا عجیب سا شور گیٹ کے باہر تک سنائی دے رہا تھا وہ سر جھٹک کر اندر داخل ہو گئی۔

مصباح کی تمام کزنز اور فرینڈز آئی ہوئی تھیں وہ ایک ایک کو دیکھ کر حیران ہوئے جا رہی تھی۔ دیکھنے والے کی نظریں جھکا دینے والے ملبوسات، دوپٹوں سے بے نیاز سر۔ کچھ لڑکیاں میوزک کی دھن پر رقص کرتے ہوئے ہر اک کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھیں۔ مصباح انعم کو دیکھتے ہی اس کے پاس آ گئی۔ مصباح کو معلوم تھا کہ وہ کالج کا ہی کہہ کر آئی ہے اس لیے اسے یونیفارم میں دیکھ کر اُسے حیرت نہ ہوئی۔

''مصباح یار! میں نے چینج کرنا ہے، یہ والا سوٹ لے کر آئی ہوں۔ انعم نے ہلکے مونگیا رنگ کا سوٹ نکال کر اُسے دکھایا۔

''کس کا سوگ منانے آئی ہو یہاں۔۔۔؟ اُس نے سوٹ دیکھتے ہی کہا۔

مجھے تو یہی مناسب لگا تھا۔ ویسے یہ پیارا لگتا ہے مجھ پر۔

دفع کرو یار! ایسے موقعوں پر ڈارک کلر چلتے ہیں۔ میں لے کر آتی ہوں تمھارے لیے ڈریس۔۔۔ فوراً سے پہن لے۔ وہ گہرے نیلے رنگ کا جارجٹ کا سوٹ لے آئی۔ جس پر شیشوں کا نفیس کام کیا ہوا تھا ہاف بازو، چوڑی دار چست پاجامہ اور نیٹ کا چھوٹا سا دوپٹہ ساتھ تھا۔

''مصباح! میں تو ایسے کپڑے کبھی نہیں پہنتی، کوئی فل بازو والا سوٹ۔۔۔''

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

''زیادہ ماسی نہ بنو،سب چل رہا ہے آج کل۔۔چپ چاپ جلدی سے چینج کرآ،چاروناچار،اُسے چینج کرنا ہی پڑا۔گہرے نیلے رنگ میں اس کی رنگت خوب کھل اٹھی تھی،وہ خود کو آئینے میں دیکھ کر شرما گئی۔۔ہال میں ڈانس شروع کیا تو ہال تالیوں کے شور سے گونج اُٹھا۔اُسے مصباح نے شربت میں نجانے کونسا نشہ پلا دیا تھا۔وہ خود سے بے نیاز جھوم جھوم کر ڈانس کر رہی تھی۔ڈانس میں اب لڑکے لڑکیاں بھی مل چکے تھے۔وہ کبھی کس کی باہوں میں جھوم رہی کبھی کس کی۔۔وہ مدہوش تھی۔۔اس کے حسن کی تعریف اور بہت سہرانے پر وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔انجان باہوں میں ہی جھول گئی پھر کوئی یارانہ رہا۔

شام چار بجے اُس کی آنکھ کھلی تو وہ بہت ہی خوبصورت بیڈ پر دراز تھی۔وہ جلدی سے اُٹھی تو اس کا انگ انگ درد کر رہا تھا۔اتنے میں مصباح آئی تو اُس نے کپڑے چینج کیے اور اپنے گھر کی راہ لی،وہ پریشان تھی کہ وہ دو گھنٹے لیٹ ہو چکی تھی۔

ایک دن وہ معمول کے مطابق گھر کے کام کر رہی تھی کہ اچانک مصباح اپنے مما پاپا کے ساتھ ان کے گھر آ گئی۔وہ حیرت سے اُنہیں دیکھتی رہ گئی۔

''بیٹھنے کا نہیں کہو گی کیا۔؟''مصباح نے کہا تو وہ شرمندہ سی اُنہیں کمرے میں لے آئی۔جہاں ایک پرانا مگر صاف سُتھرا پلنگ بچھا تھا۔مصباح کے مما پاپا باہر صحن میں انعم کے والدین کے ساتھ ہی بیٹھ گئے تھے۔

مصباح!تم یوں اچانک کیسے۔۔؟وہ ابھی تک ان کی اچانک آمد پر حیران تھی۔

کیوں ہم نہیں آ سکتے کیا۔؟وہ ہنستے ہوئے بولی۔

نہیں میرا مطلب ہے۔۔۔چھوڑ یار!ہم اپنی کوئی چیز لینے آئے ہیں۔۔

کک۔کیا۔؟مم!میرا مطلب ہمارے ہاں۔۔۔؟

چھوڑو مطلب وطلب۔۔کوئی مشرقی روایتی مٹھائیاں،عربی مٹھائیاں ،بنگالی فریش کریم کیکس،ربڑی رس ملائی،آئسکریم،قلفی فولودہ نہ سہی سادہ پانی ہی پلا دو یار!وہ نان سٹاپ بولے جا رہی تھی۔آج وہ بہت ہی شوخ نظر آ رہی تھی جبکہ انعم ناسمجھی سی اپنی اماں کو دیکھا۔۔۔جو زبردستی اُن کی آمد پر اپنی ناگواری چھپا رہی تھیں۔مصباح کی طرح ان کی مما بھی بہت فیشن ایبل نظر آ رہی تھیں۔عمر کے تقاضے سے بڑھ کر لڑکی بننے کی کوشش میں تھی۔پھر مصباح کی معنی خیز مسکراہٹوں اور شریر جملوں اور اُن کے جانے کے بعد آخر کار یہ عقدہ بھی کھل ہی گیا کہ وہ لوگ کس مقصد سے آئے تھے۔

سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔۔کہاں انعم جیسی مڈل کلاس عام سی لڑکی اور کہاں سید عالم مراد کا بیٹا''سید افنان عالم''جس کے نام کے آگے ڈگریوں کی ایک لمبی قطار تھی۔

انعم کے والدین تو اپنے سے اونچے طبقے کے لوگوں سے تعلق میں بھی فاصلے کے قائل تھے اور یہاں تو بات ہی رشتے کی تھی۔مالی حیثیت سے تو زمین و آسمان کا فرق تھا ہی لیکن یہ کوئی معقول اعتراض نہ تھا اصل وجہ تو لڑکے کی بڑی عمر اور ان کی فیملی کے رہن سہن پر آ کر ٹھہر جاتی جو ہر قسم کی آزادی کی حد دو توڑے ہوئے تھے پھر لڑکے کی عمر چالیس سال کو چھو رہی تھی جبکہ انعم ابھی بمشکل انیس سال کی تھی۔اُن لوگوں کی طرف سے اصرار بہت زیادہ تھا۔اس لئے انعم کے والد کو ''سوچ کر جواب دیں گے''کہہ کر ٹالنا پڑا۔معلومات لینا تو بحر حال ضروری تھا۔

☆☆☆

Downloaded from https://paksociety.com

وہ کالج سے گھر آئی تو امی اور بابا صحن میں نہیں تھے۔یقیناً کمرے میں ہوں گے۔یہ سوچ کر نجانے کیوں قدموں کی آہٹ ہلکی رکھتے ہوئے وہ دروازے تک آئی۔اندر سے اس کے پاپا کی آواز آرہی تھی جو کہ اونچی نہ تھی مگر اتنی آہستہ بھی نہ تھی کہ وہ سن نہ پاتی۔

"یہ لوگ غلط بزنس کرتے ہیں۔سود پر پیسہ آتا ہے۔خاندانی لحاظ سے بھی اچھے نہیں اور یہ افنان عالم بڑے بڑے فراڈ کیس بھگت کر دوبارہ اپنا نام بنانے میں کامیاب ہوا ہے"

یہ اُس کے والد کی آواز تھی۔اُسے لگا جیسے زمین و آسمان گھوم رہے ہوں۔مزید کچھ سننے کی اُس میں ہمت نہیں تھی جو تھوڑی بہت امارت کا رُعب و لالچ تھا وہ رفو چکر ہو چکا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ وہیں ڈھے جاتی۔وہ دیوار کا سہارا لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

انعم تمھیں اپنے والدین کو قائل کرنا ہوگا۔کالج میں بریک کے دوران مصباح نے اُسے کہا۔

"تمھارے اور ہمارے اسٹینڈرڈ میں بہت فرق ہے مصباح"

یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔محدود سوچ رکھنے والے لوگ اسٹینڈرڈ کو پرابلم بنا لیتے ہیں۔

مم مگر۔

اگر مگر کچھ نہیں چلے گا تمھیں ماننا ہوگا۔مصباح نے حکم صادر کرتے ہوئے کہا۔

میرے امی ابو۔؟ وہ شدید اُلجھن کا شکار ہو رہی تھی۔اپنے امی ابا کو بھی تم نے ہی ماننا ہوگا۔

مصباح!تم نے یہ۔۔۔اُس کی ساری کی ساری باتیں آج ادھوری رہ رہی تھیں۔۔مصباح اُسے بولنے نہیں دیتی تھی۔

دیکھو انعم!ہم اپنے اکلوتے بھائی کی کسی بھی خواہش کو رد نہیں کر سکتے۔

کیا مطلب۔؟ وہ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہی تھی۔

مطلب یہی کہ بھائی جان نے تمھیں میری سالگرہ پر ڈانس کرتے ہوئے دیکھا اور بس فدا ہو گئے تمھارے حسن پر۔پھر ڈانس کے دوران تم بھی تو خوب ان سے لپٹ رہی تھی۔ان کی بانہوں میں جھوم رہی تھی۔

انعم کی پھٹی پھٹی آنکھیں اُسے دیکھتی رہ گئی۔اُسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ مصباح کیا بول رہی ہے۔

اچھا سنو!میں کل کالج نہیں آؤں گی۔تم کالج کا کہہ کر میرے گھر آ جانا۔پھر ڈسکس کریں گے اور تمھیں یقین بھی ہو جائے گا۔وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوتی چلی گئی جبکہ انعم کتنی ہی دیر بے یقینی کے عالم میں سوچوں میں غوطہ زن وہیں بیٹھی رہی۔

☆☆☆

مصباح!میرے والدین کبھی نہیں مانیں گے۔کبھی نہیں۔وہ اس کے گھر بیٹھی اس سے ڈسکس کر رہی تھی۔

تم کوشش کرو تو مان جائیں گے۔مصباح نے لاپروائی سے کہا۔

نن نہیں۔۔۔ہمارے خاندان میں تو لڑکے بھی فورس نہیں کرتے۔میں تو پھر لڑکی ہوں۔۔۔

چھوڑو۔۔اب وہ دور نہیں رہا۔تم منوا سکتی ہو اگر چاہو تو کیونکہ تم ان کی اکلوتی اولاد ہو۔تمھارے سامنے ہار مان ہی جائیں گے۔۔اس کے لہجے میں سختی سی آ گئی تھی۔

میں نہیں چاہتی بس۔۔انعم نے بھی تنگ آ کر جواب دیا اور یہیں پر مصباح کی اصلیت کھل کر سامنے آ گئی۔

شٹ اپ انعم!وہ چیخ پڑی۔تم لوگ ہم سے نہ ہی بگاڑو تو اچھا ہے۔تمھاری اوقات ہی کیا ہے۔ہم سے پنگا لیا تو ساری زندگی "یہ افنان عالم" کے نام کو یاد رکھو گی۔لہجے میں دھمکی اور سرد مہری تھی۔کہاں وہ پیار اور نرمی سے بات کرنے والی مصباح اور کہاں وہ جو اب زہریلی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ادھر آؤمیڈم!مصباح اسے ہاتھ سے پکڑ کر دوسرے کمرے میں آئی ۔کمپیوٹر کے سامنے رکھی ایک کرسی پر وہ خود بیٹھ گئی اور دوسری پر بیٹھنے کا انعم کو اشارہ کیا۔کچھ ہی دیر میں کمپیوٹر کی شفاف اسکرین پر نیم عریاں لباس میں ڈانس کرتے ہوئے انعم کا وجود اُبھرا۔پھر کچھ ہی دیر میں وہ بڑی بڑی مونچھوں والے آدمی کے ہاتھ میں جھولنے لگی اور بھرپور مست انداز میں ڈانس کرتے اس سے لپٹنے لگی۔پھر وہی آدمی اسے بانہوں میں لئے بیڈروم میں لے آیا۔

کک۔۔ک۔۔کون!کب تم نے!یہ سب کیسے مصباح۔۔۔؟انعم کا رنگ سرخ پڑ چکا تھا۔بے ربط سے جملے کہتی ہوئی وہ نڈھال سی ہونے لگی۔

حوصلہ رکھو بی بی!مصباح نے خون خوار نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

کس نے۔۔۔کیسے ہوا یہ سب مصباح۔۔؟انعم چیخ اُٹھی۔۔یہ سب ڈرنگ کا کمال تھا۔ڈارلنگ جو تم نے کمال کا ڈانس کر کے ہمارے بھیاء کا دل چورالیا۔۔۔اُس نے اطمینان سے کہا اور چند اور بٹن بش کئے تو انعم کی نہایت ہی بے ہودہ قسم کی تصاویر سامنے آگئیں۔کچھ آفنان عالم کے ساتھ اور کچھ انجان لوگوں کے ساتھ۔

نن۔۔نہیں۔۔۔میں نے نہیں بنوائیں یہ۔

مجھے معلوم ہے کہ تم نے نہیں بنوائیں۔ہم نے خود ہی تمھاری سمپل تصاویر P.C پر سیٹ کر کے یہ شکل دی ہے لیکن یہ بات اور کوئی نہیں سوچے گا۔بیوٹی فل بے بی۔؟ہر کسی کی انگلی تمھارے کریکٹر کی طرف ہی اُٹھے گی۔

اُس کی زبان بے یقینی اور صدمے سے گنگ ہوگئی۔دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

خود کو ویسٹ مٹ کرو لٹل گرل ۔۔مصباح نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔اُس لمحے پہلے جیسی مصباح لگ رہی تھی ۔انعم کی ''مخلص'' دوست!!!۔

مجھے اُمید ہے اب تم ہمیں مایوس نہیں کرو گی۔

☆☆☆

اُن کے کرائے کے دو کمروں والے چھوٹے سے پرانے گھر میں معمول سے زیادہ سناٹا طاری تھا۔اُسے وحشت سی ہو رہی تھی۔اُس کا دماغ کسی بھی فیصلہ کن نتیجے پر نہیں پہنچ رہا تھا۔بہت سوچ وچار کے بعد بھی وہ سمجھوتہ نہیں کر پائی تھی ۔اُسے کسی مخلص ہم راز کی شدت سے طلب ہو رہی تھی جس کو اپنی داستان الم سُنا کر وہ کوئی درست فیصلہ کر سکے۔

پھر ضمیر نے رہنمائی کی کہ ''ماں'' سے زیادہ مخلص ''ہم راز'' کوئی اور نہیں ہوسکتا۔بے اختیار اُس کے قدم ماں کی طرف اُٹھ گئے۔اُس کی ماں اُس کے بھل بھل بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر حیران و پریشان سی رہ گئی ۔

''کیا ہوا ہے انعم میری بیٹی!بتا کیا ہوا ہے۔؟وہ اس کا سر اور کمر سہلاتے ہوئے بولیں مگر آنسو تھے کہ تھمنے میں نہیں آرہے تھے۔

چپ کر انعم!کچھ بول تو سہی آخر ہوا کیا ہے۔؟

اماں!مجھے معاف کردو۔اماں!اس نے زاروزار روتے ہوئے اپنی ماں کے پاؤں پکڑ لیے۔اور آنسوؤں کے درمیان سب کچھ اُسے بتا دیا۔اب رونے کی باری اُس کی ماں کی تھی۔وہ اپنا سر پکڑ کر رونے لگی ۔انعم کو رہ رہ کر پچھلی باتیں یاد آنے لگیں۔اُسے اپنے والد کی بات یاد آئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

''بیٹا! دشمن سے زیادہ دوست سے محتاط رہنا کیونکہ وہ تمھارے رازوں سے واقف ہوتا ہے۔''

ہائے ہائے انعم یہ تو نے کس آزمائش میں ڈال دیا۔ اُس کی ماں بے تحاشا رو رہی تھی۔

''یقیناً! تمھارے والدین یہ سب برداشت نہیں کر سکیں گے دوست!'' مصباح کی چھبتی ہوئی آواز سماعتوں میں گونجنے لگی۔

بیٹا! ہمیشہ اپنی حیثیت کے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنا۔ تعلق میں ہمیشہ اعتدال اور فاصلہ رکھنا۔

بیٹا!۔۔۔۔۔

یہ اس کے امی ابو کی آوازیں تھیں۔ آوازوں میں شفقت ہی شفقت تھی مگر اس نے بہت پہلے یہ باتیں ہنسی میں اُڑا دی تھیں۔ اب پچھتاوے ہی پچھتاوے چاروں طرف اُسے نظر آ رہے تھے۔ اُس کی بے دھیانی نے بھنور میں کشتی کی طرح اُسے پھنسا دیا تھا۔ وہ بھولی بھالی، سیدھی سادی زمانے کے شاطر لوگوں کو نہ سمجھ پائی۔ چہروں پہ بناوٹی خلوص کو حقیقت سمجھ بیٹھی۔

امی! مجھے معاف کر دو۔ میں نے آپ دونوں کو بہت دکھ دیا ہے۔ وہ اپنی ماں کو چپ کرواتے ہوئی معافی مانگ رہی تھی۔ شام تک ساری بات اس کے والد کو بتا دی گئی۔ وہ بھی سکتے میں آ گئے۔ ایک طرف عزت و عصمت، بدنامی کا خوف اور دوسری طرف جان سے زیادہ عزیز بیٹی کا مستقبل۔ کافی سوچ و بچار کے بعد انہوں نے راتوں رات وہ کرائے کا گھر چھوڑ دیا اور بہت دور دوسرے شہر چلے گئے۔ جہاں ''عالم مراد'' کی فیملی جیسا کوئی بھی شخص اُنہیں نہیں جانتا تھا۔

اگر آپ کچھ لکھنا چاہتے ہیں لیکن بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ کیسے لکھیں تو پریشان مت ہوئیے۔ آپ جیسا بھی لکھ سکتے ہیں، لکھ کر ہمیں ارسال کیجئے۔ انشاء اللہ نوک پلک سنوار کر آپ کی کہانی اور دیگر مواد کو قابل اشاعت بنایا جائے گا۔ جلد سے جلد اپنی کہانیاں، لطیفے، اقوال زریں، اشعار، غزلیں اور دیگر مواد ارسال کریں۔ ہم منتظر ہیں آپ جیسے اچھے دوستوں کے۔ شاہین ڈائجسٹ کا خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے دوست احباب کو بھی اس کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیں۔ اسے زیادہ سے زیادہ شیئر کریں۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ دوست اسے پڑھ سکیں۔ شکریہ

ایڈیٹر

محمد ندیم عباس میوانی

0306-3094595

Shaheendigest786@gmail.com

شاہین ڈائجسٹ کے لیے ٹیم ورک کی ضرورت ہے۔ جو دوست اس ڈائجسٹ کا حصہ بننا چاہتے ہیں جلد سے جلد رابطہ کریں شکریہ۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

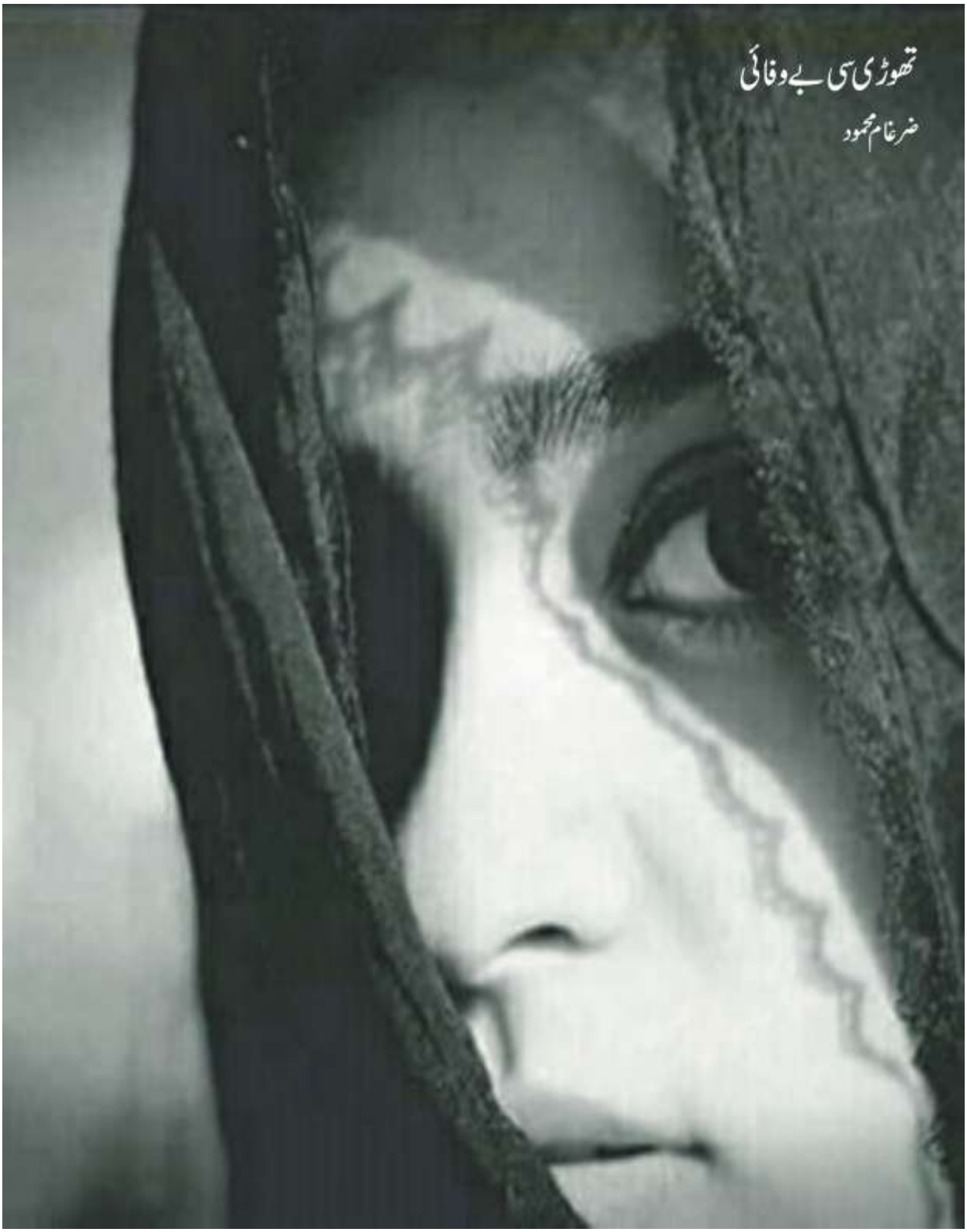

Downloaded from https://paksociety.com

تھوڑی سی بے وفائی

ضرغام محمود

جس نے سنا، اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے تو اپنے آپ کو چٹکی لے کر دیکھا کہ وہ جاگ رہے ہیں یا خواب دیکھ رہے ہیں۔ خبر ہی کچھ ایسی تھی زیتون بانو نے اپنے اکلوتے لاڈلے سپوت تنویر حسین عرف تانی کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ تانی کے ساتھ کے تمام دوستوں کی شادی کو اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ ان کے بچے بھی دوڑنے بھاگنے لگے تھے مگر زیتون بانو کی نظر میں ان کا لاڈلا ابھی بچہ تھا، حالانکہ نکلتا قد اور مضبوط ہاتھ پیروں کے ساتھ تنویر حسین بچپن ہی میں بھرپور جوان دیکھتا تھا۔ پھر اللہ نے ہاتھ میں ہنر بھی ایسا دیا تھا کہ روپے پیسے کی کوئی تنگی نہ تھی۔ زیتون بانو کی زندگی کافی تکلیف میں گزری تھی تین سال کی ازدواجی زندگی کے بعد زیتون بانو کے شوہر ننھے تانی کو ان کی گود میں دے کر اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ تب سے زیتون بانو نے اکیلے ہی ننھے تانی کو پالا اکیلی عورت کو دیکھ کر ہمارے معاشرے کے مرد کافی بے باک ہو جاتے ہیں مگر زیتون بانو کی زبان اللہ بچائے ہر شخص زیتون بانو سے پناہ مانگتا تھا۔

زیتون بانو شائد تنویر حسین عرف تانی کی شادی کے لئے راضی نہ ہوتی مگر جب ان کے کان میں یہ طعنہ پڑنے لگا کہ وہ بیٹے کی کمائی کھانے کے لئے اپنے بیٹے کو ساری عمر کنوارا رکھے گی تو انہیں تھوڑا احساس ہوا ویسے زیتون بانو ان لوگوں میں سے نہیں تھی جو محلے والوں کی باتوں کا اثر لے۔ اصل مسئلہ محلے کے ایک گھر میں ہونے والے واقعے سے ہوا جہاں گھر کے واحد کفیل نے اپنی مرضی سے شادی کر لی اور بیوی کو گھر لے آیا۔ اس واقعے کو سن کر زیتون بانو کے کان کھڑے ہو گئے اور اس نے بھی بادل نخواستہ بہو کی تلاش شروع کر دی۔

اصل حق دار

ایران کے بادشاہ نوشیرواں ک زمانے میں کچھ لوگ تین مرتبہ چاندی کے ایک ایک ہزار درہم لائے۔ اصفہان کے خزانچی نے نوشیرواں کو خبر دی کہ بہت سامال لایا گیا ہے۔ یہ تر ہوگا کہ یہ خزانے میں جمع کیا جائے۔ نوشیرواں نے جواب دیا کہ لانے والوں سے کہو کہ وہ واپس لے جائیں۔ اصفہان کے لوگوں نے اس سال کا خراج ادا کر دیا ہے، اور یہ نامناسب ہے کہ ان سے دوبارہ خراج لیا جائے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ خراج نہیں، بلکہ ایک امیر شخص وفات پا گیا ہے، اور چوں کہ اس کا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے یہ مال بیت المال کا ہے۔ نوشیرواں نے کہا، ''عامل سے کہو کہ مرنے والے کے کسی عزیز کو تلاش کرے، ممکن ہے، اس کوئی وارث مل ہی جائے۔''

ملک شہریار اسلم، رحمت کالونی سلانوالی

Downloaded from https://paksociety.com

زیتون بانو ایک جہاندیدہ عورت تھی اس نے زمانے کے سرد وگرم دیکھ رکھی تھی اسے احساس تھا کہ تانی بے شک شریف ہے سر جھکا کر اپنا کام کرتا ہے مگر۔مگر کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اس کا آنکھ مٹکا بھی ہو جائے اور وہ۔۔وہ بھی محلے کے اس لڑکے کی طرح کسی کو بیوی بنا کر لے آئے۔لہذا یہ سوچ کر زیتون بانو اپنی بہن حاجرہ کے ساتھ جگہ جگہ لڑکی دیکھنے جانے لگی مگر ہر جگہ وہ کبھی لڑکی کے چھوٹے قد،کبھی سانولا رنگ اور کبھی موٹے نقش ونگار کو بنیاد بنا کر لڑکیاں مسترد کرنے لگی۔

تنویر حسین کو اپنے کام کے علاوہ کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی مگر جب سے گھر میں اس کی شادی کی باتیں شروع ہوئی تھی اور اس کے ماں نے لڑکیاں دیکھنی شروع کی تھی تو اسے بھی گھر کے معاملات سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور وہ اپنی اماں اور خالہ کی باتوں پر دھیان دینے لگا اماں جن لڑکیوں کو دیکھ کر آتی اور اس لڑکی کے بارے میں اپنی بہن حاجرہ سے باتیں کرتی تو تنویر حسین اس لڑکی کا کا خیالی پیکر تراش لیتا اور خیالوں میں اس لڑکی کو دیکھنے لگتا شریف ہونے کے باوجود فطری تقاضے سر اٹھانے لگے تھے۔

جب زیتون بانو کو کوئی لڑکی اپنے معیار کی نہ ملی تو اس نے ایک رشتہ کرانے والی عورت سے رابطہ کیا اور اس کو اپنی ڈیمانڈ بتائی کہ وہ کیسی بہو چاہتی ہے۔

زیتون بانو کی ڈیمانڈ سن کر رشتہ کرانے والی عورت حیرت زدہ رہ گئی مگر اس کے پاس زیتون بانو کے معیار کا ایک رشتہ تھا جب رشتہ کرانے والی نے اس رشتے کے بارے میں زیتون بانو کو بتایا تو زیتون بانو بناء لڑکی دیکھے اس رشتے پر راضی ہو گئی۔

صابرہ اپنے نام کی طرح صابر تھی۔وہ یتیم لڑکی تھی اس کے ماں باپ اس کے بچپن ہی میں گزر گئے تھے وہ اپنے غریب ماموں سے ساتھ رہتی تھی صابرہ کا ماموں محنت مزدوری کر کے اپنے چھ بچوں کو پیٹ پال رہا تھا ایسے گھر میں آدھی روٹی صابرہ کو بھی مل جاتی تھی زیتون بانو کو جب صابرہ کے بارے میں رشتہ کرانے والی نے بتایا تو زیتون بانو نے صابرہ کو بناء دیکھے ہی پسند کر لیا۔

زیتون بانو ایک زمانہ شناس عورت تھی وہ جانتی تھی کہ اگر تگڑے میکے والی اور ٹرک بھر کر جہیز لانے والی لڑکی بہو بن کر اس کے گھر آئی تو ایسی لڑکی زیتون بانو کے قابو میں نہیں آئے گی اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والی اس کے اکلوتے بیٹے کو ہی لیکر اڑن چھو ہو جائے۔اسی خیالات کے تحت زیتون بانو صابرہ کو دیکھنے اپنی بہن حاجرہ کے ساتھ صابرہ کے ماموں کے گھر پہنچی۔

صابرہ کے ماموں ممانی نے اپنے حساب سے دونوں بہنوں کا اچھا سواگت کیا اور اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا مگر زیتون بانو وہاں اکڑی بیٹھی رہی اور زیادہ کسی سے بات چیت نہیں کی مگر وہ لومڑی کی نظر سے صابرہ اور دیگر گھر کے افراد کا معائنہ کر رہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

زیتون بانو کے رویے سے صابرہ کے ماموں اور ممانی کے چہروں پر مایوسی جھلکنے لگی مگر رخصت ہوتے ہوئے زیتون بانو نے صابرہ کے ہاتھ پر کچھ نوٹ رکھے اور اپنی پسند یدگی کا اظہار کیا تو صابرہ کے ماموں اور ممانی کے چہرے پر خوشیاں رقص کرنے لگی۔گھر واپس آ کر زیتون بانو کی بہن حاجرہ نے زیتون بانو سے کہا " آپا۔۔۔میرا تو خیال تھا کہ آپ وہاں رشتے سے انکار کر دیں گی مگر آپ نے تو۔۔۔۔۔۔اس گھر سے تانی کو کوئی جہیز نہیں ملنے والا۔۔۔۔" حاجرہ نے جملہ توڑ توڑ کر ادا کیا۔

" جہیز کی مجھے فکر نہیں ہے۔۔۔۔سب کچھ ہے میرے پاس۔۔" زیتون بانو نے بھی جملے توڑ کر جواب دیا

" مگر آپا۔۔آپ نے لڑکی کی عمر دیکھی ہے تانی سے آدھی عمر کی ہے۔۔۔۔" حاجرہ بولی۔

" یہی تو میں چاہتی تھی کہ لڑکی کم عمر ہو۔۔کم عمر لڑکی ہر ماحول میں ڈھل جاتی ہے پھر یتیم بچی ہے ماموں ممانی ایک دفعہ بوجھ کی طرح سر سے اتار پھینکے گے تو پھر پلٹ کر نہیں دیکھیں گے ۔۔۔۔اگر میں تھوڑے تگڑے میکے والی بہو لے آؤں تو اسے اپنے میکے کا بڑا مان ہوگا اور پھر کہیں۔۔ایسا نہ ہو کہ تگڑے میکے والی بہو میری اکلوتی کمائی میرے بیٹے ہی کو لیکر چلتی بنے۔۔تو میں ابھاگن کیا کرونگی۔۔" زیتون بانو کا خوف زبان پر آ ہی گیا۔

"مگر آپا لڑکی بہت چھوٹی اور معصوم ہے۔۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے حسن اور معصومیت کا جادو تانی پر چل جائے؟۔۔" حاجرہ نے ایک نئے خوف کا اظہار کیا۔

"تانی کی ساری لگامیں میرے ہاتھ میں ہیں۔۔وہ میری نظر سے اپنی بیوی کو دیکھے گا۔۔" زیتون بانو نے بڑے مان سے حاجرہ کو جواب دیا تو حاجرہ خاموش ہوگئی۔

" گھر بھی پکا ہے اور گھر میں آسائش کی ساری چیزیں بھی موجود ہیں ۔۔دیکھنا ہماری صابرہ راج کرے گی۔۔" تنویر حسین کو دیکھنے کے بعد واپس جاتے ہوئے راستے میں صابرہ کے ماموں نے اپنی بیوی سے کہا

" ہاں۔۔آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لڑکا بھی شریف ہے مگر۔۔۔" صابرہ کے ممانی کچھ کہتے کہتے رک گئی

" مگر کیا۔۔۔"

" لڑکے کی عمر زیادہ ہے صابرہ کا تو ابھی سن سولہ ہی لگا ہے۔۔" صابرہ کی ممانی کی زبان پر دل کی بات آ گئی

" ارے لڑکے کی عمر کون دیکھتا ہے۔۔اچھے قد کاٹ کا ہے پھر کماؤ بھی ہے ۔۔۔سوچ صابرہ کے بعد ہمیں اپنی بھی چار چار بیٹیوں کا بیاہ کرنا ہے۔ " صابرہ کے ماموں نے جواب دیا

" کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں مگر۔۔۔مجھے زیتون بانو کی زبان سے تھوڑا ڈر لگ رہا ہے زیتون بانو زبان کی بہت کڑوی ہے۔۔"

" تو فکر نہ کر۔۔ہماری صابرہ اپنی خدمت سے ساس کا دل جیت لے گی۔۔"

" اللہ کرے ایسا ہی ہو۔۔۔مگر منے کے ابا صابرہ کی شادی کے لئے پیسے کہاں سے آئیں گے۔۔" صابرہ کی ممانی نے ایک نئے خدشے کا اظہار کیا۔

" دیکھ۔۔۔صابرہ کی ماں کا جو تھوڑا بہت زیور ہے وہ صابرہ کو چڑھا دینا باقی میں نے زکوۃ کمیٹی والوں سے بات کی ہے۔۔اللہ کوئی نہ کوئی سبیل نکال دے گا۔۔" صابرہ کے ماموں نے جواب دیا مرحومہ بہن اور بہنوئی کے ذکر پر اس کی آنکھیں بھر آئی اور وہ اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

گھر پہنچ کر صابرہ کے ماموں نے صابرہ کو اپنے پاس بٹھایا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہو کہا۔

" صابرہ بیٹے۔" صابرہ کے ماموں نے نہایت پیار سے صابرہ کو مخاطب کیا تو صابرہ نہایت حیرت سے انہیں دیکھنے لگی اپنے بچپن سے اس نے اپنے ماموں کو ہر وقت غصے سے چیختے چلاتے ہی دیکھا تھا صابرہ تو پھر بھی یتیم ہونے کی وجہ سے اکثر بچ جاتی تھی ماموں اپنے بچوں کو ذرا سی غلطی پر روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتے تھے۔

" صابرہ بیٹا۔۔ایک مہینے بعد تیری شادی ہے تو رخصت ہو کر اس گھر سے چلی جائے گی شادی کے بعد لڑکی کا اپنے میکے پر ہر قسم کا حق ختم ہو جاتا ہے اور پھر تیرا تو میکہ بھی نہیں ہے۔۔یہ غریب ماموں جب تک تیری ذمہ داری اٹھا سکتا تھا اٹھالی۔۔۔شادی کے بعد تو بھول جانا تیرا کوئی ماموں بھی تھا اپنے شوہر کے گھر کو اپنا گھر سمجھنا اور اس کی ماں کو اپنی سگی ماں سمجھنا۔۔۔سسرال میں صبر اور برداشت سے کام لینا اگر تیرے ساتھ کچھ زیادتی ہو بھی جائے تو اس کو نہایت صبر سے برداشت کرنا۔۔بیٹا تیرا ماموں اتنا غریب ہے کہ اس کی جیب میں تیرے گھر تک آنے کا کرایہ بھی شائد نہ ہو۔۔۔" اتنا کہہ کر صابرہ کے ماموں خاموش ہو گئے۔

" ماموں۔۔۔میں کبھی آپ کو یا کسی کو بھی شکایت کا موقع نہیں دونگی اگر میرے ساتھ کچھ غلط بھی ہو گا تو میں نہایت صبر کے ساتھ اسے برداشت کرونگی۔۔" صابرہ نے سر جھکا کر جواب دیا۔

" شاباش بیٹا۔۔۔مجھے تم سے یہی امید ہے۔۔۔"

ادھر دوسری جانب تنویر حسین کے دوست اس کو مسلسل چھیڑ رہے تھے اس کے شادی شدہ دوست اسے مشوروں سے نواز رہے تھے چند دوست مسلسل تنویر حسین سے مذاق کر رہے تھے۔

غلام کی سخاوت

کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے ایک دن اپنی زمینوں کا دورہ کیا، اس دوران وہ کسی کے کھجوروں کے باغ میں گئے، وہاں ایک سیاہ فام غلام دکھا جو باغ میں کام کر رہا تھا۔ جب دوپہر کے وقت تین روٹیوں پر مشتمل اس کا کھانا آیا تو اس نے ایک روٹی وہاں کھڑے ایک کتے کی طرف پھینکی جو وہ کھا گیا، پھر اس نے دوسری پھینکی، کتا وہ بھی کھا گیا، عبداللہ بن جعفر یہ سارا تماشا دیکھتے رہے، پھر انھوں نے غلام سے پوچھا،

"اے غلام! تجھے روزانہ کتنا کھانا ملتا ہے؟"

غلام نے کہا، "جتنا آپ نے دیکھا ہے۔"

عبداللہ بن جعفر نے پوچھا، "تو پھر تو نے کتے کو خود پر کیوں ترجیح دی؟

غلام نے کہا، "یہ زمین کتوں کی سرزمین نہیں ہے، یہ بے چارہ بہت دور سے بھوکا آیا ہے، اس لیے میں نے مناسب نہ جانا کہ اسے بھوکے پیٹ واپس لوٹایا جائے۔"

عبداللہ بن جعفر نے پوچھا، "تو آج تم کیا کرو گے؟"

غلام نے کہا، "بھوکا رہ کر صبر کروں گا۔"

عبداللہ بن جعفر نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا، "لوگ مجھے زیادہ سخاوت کرنے پر ملامت کرتے ہیں، جب کہ یہ غلام مجھ سے زیادہ سخی ہے۔" پھر عبداللہ نے اسے خرید کر آزاد کر دیا اور کھجوروں سمیت پورا باغ خرید کر غلا کو ہبہ کر دیا۔

ملک اے بی شاہین۔سلانوالی،سرگودھا

تنویر حسین کم گو تھا اور خود کسی سے مذاق نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کسی کا مذاق برداشت کرتا تھا مگر نہ جانے کیا بات تھی اس کی شادی کے حوالے سے دوست اس کو چھیڑ رہے تھے تو تنویر حسین کو یہ سب اچھا لگ رہا تھا دوستوں کی باتوں سے تنویر حسین کے دل میں گدگدی سی ہو رہی تھی تنویر حسین کے شادی شدہ دوست اسے سہاگ رات کے حوالے سے ڈائیلاگ یاد کروا رہے تھے جو اسے دلہن کا گھونگھٹ اٹھا کر بولنے تھے۔تنویر حسین کے لئے ایک ایک دن گزارنا مشکل ہو رہا تھا جب تک شادی کے متعلق سوچا نہیں تھا تو کوئی خواہش نہیں تھی مگر اب دل میں ارمان جاگ اٹھے تھے۔تنویر حسین کا کام میں دل نہیں لگ رہا تھا وہ اپنا زیادہ وقت گھر میں گزارنے لگا تھا۔بات بے بات مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی اس کی دلی کیفیت کسی سے پوشیدہ نہ تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"دیکھ لو آپا۔۔ابھی شادی نہیں ہوا اور تانی کے دانت کیسے نکل رہے ہے۔۔"
تنویر حسین کو آپ ہی آپ مسکراتا دیکھ کر حاجرہ نے اپنی بہن زیتون بانو سے کہا تو زیتون بانو نے کوئی جواب نہیں دیا اور فکرمندی سے اپنی گردن ہلانے لگی۔ادھر صابرہ کی سہیلیاں بھی صابرہ کو مسلسل چھیڑ رہی تھی اس کی سہلیوں میں ایک دو شادی شدہ سہلیاں بھی تھی وہ صابرہ کو مسلسل گائیڈ کر رہی تھی۔

"اف۔۔۔صابرہ۔۔تجھے دیکھ کر تو دولھا بھائی فدا۔۔فدا ہو جائیں گے۔۔"

"سچی کہتی ہوں۔۔صابرہ تیرے کان رومانی جملے سن سن کر پک جائے گے۔۔مگر دولھا بھائی کے زبان نہیں تھکے گی۔۔" صابرہ کی ایک شادی شدہ سہیلی نے کہا۔

"کیوں۔۔کیا تیرے بھی کان پک گئے تھے اپنے شوہر کے جملے سن سن کر۔۔" صابرہ کی ایک سہیلی نے کہنے والی کو چھیڑا۔

"ہٹ بے شرم۔۔۔۔"

"نہیں۔۔نہیں۔۔ہمیں بتاؤ دولھا بھائی کیا کیا کہتے تھے۔۔" سب سہلیاں صابرہ کو چھوڑ کر اس سے چمٹ گئی تو صابرہ کی اس سہیلی نے شرماتے ہوئے اپنے شوہر کے چند جملے پیش کئے۔اس طرح کی باتیں سن کر صابرہ کے دل میں بھی امنگیں جاگنے لگیں اور وہ جاگتی آنکھوں سے سپنے دیکھنے لگی۔

پھر وہ وقت بھی آ ہی گیا جب دولھا بنے تنویر حسین پھولوں سے سجی گاڑی میں چھوئی موئی سے صابرہ کو بیاہ کر اپنے سنگ لے آیا۔دلہن بنی صابرہ جب تنویر حسین کے سنگ اس کے گھر پہنچی تو محلے کی وہ عورتیں جو کسی وجہ سے شادی میں نہ جا سکی تھی۔وہ تمام عورتیں زیتون بانو کے گھر اکٹھا ہو گئی۔سب تنویر حسین کی دلہن کو دیکھنا چاہتی تھی۔محلے کی جو بھی عورت صابرہ کی موہنی صورت دیکھتی وہ دیکھتی رہ جاتی۔

فرمان عالیشان

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لوگوں کو اسلام کی دعوت الفاظ استعمال کئے بغیر دیا کرو۔"

"پوچھا گیا کیسے.....؟"

فرمایا:

"اپنے بہتر کردار اور اچھے اخلاق کے ذریعے۔"

منشی عزیزمئے

ذرا سی دیر میں پورے محلے میں یہ بات پھیل گئی کہ تانی کی دلہن پریوں کی طرح معصوم اور خوبصورت ہے۔جب تنویر حسین کے کانوں میں صابرہ کی خوبصورتی کی آوازیں پہنچی تو اس کے چہرے پر ایک مغرورانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔تنویر حسین کی اس مسکراہٹ نے زیتون بانو کو بے چین کر دیا۔

" آپا دیکھ لو تانی کے تو دانت ہی بند نہیں ہو رہے ہیں۔۔۔" حاجرہ نے موقع پا کر اپنی بہن زیتون بانو سے کہا

" معلوم ہے۔۔۔۔زیادہ پریشان مت کر مجھے۔۔۔" زیتون بانو نے حاجرہ کو جھڑک دیا۔خود زیتون بانو بھی صابرہ کی خوبصورتی سے پریشان ہو رہی تھی وہ تو یہ سوچ کر غریب اور کم عمر لڑکی لائی تھی کہ وہ اس کے قابو میں رہے گی مگر۔۔۔کہیں بازی الٹ نہ جائے۔یہ سوچ سوچ کر زیتون بانو دہل رہی تھی۔

جب ایک ایک کر کے سب مہمان گھر سے رخصت ہو گئے اور تنویر حسین بھی اپنے کمرے میں اپنی دلہن کے پاس جانے کے لئے پر تولنے لگا تو زیتون بانو نے اپنے کمرے کے دروازے سے تنویر حسین کو آواز دی اور اپنے کمرے میں بلایا۔جب تنویر حسین ماں کی طلبی پر کمرے میں پہنچا تو زیتون بانو تھکی تھکی سے مسہری پر تکیے سے ٹیک لگائے پیر پھیلائے بیٹھی تھی تنویر حسین ماں کے قدموں کے پاس مسہری پر بیٹھ گیا۔تنویر حسین کے بیٹھنے کے بعد زیتون بانو دھیمی لہجے میں بولنے لگی۔

Downloaded from https://paksociety.com

''تانی بیٹا۔۔۔دنیا میں بہت کم مائیں میری جیسی ہونگی۔میں نے اپنا آپ مار کر تجھے پالا ہے۔۔تجھے تو یاد بھی نہیں ہوگا کہ کب تیرا ابا اس دنیا سے گیا تھا۔۔میں نے تنہا دنیا سے لڑ کر تجھے جوان کیا ہے۔۔۔'' زیتون بانو اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

'' ہاں اماں۔۔۔۔میں گواہ ہوں اس بات کا کہ تم نے کتنی مشکلیں اٹھائیں ہیں۔۔۔''

'' بس میرے لعل۔۔۔یہ بات یاد رکھنا کہ میں تیری ماں ہوں۔۔۔کہیں شادی کے بعد تو بدل گیا تو میں بوڑھیا کیا کرونگی۔۔'' زیتون بانو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اماں۔۔۔۔اماں یہ کیا کہہ رہی ہو۔۔میں کیوں بدل جاؤنگا۔۔۔'' ماں کے آنسو دیکھ کر تنویر حسین تڑپ اٹھا۔

''بیٹا میں نے دنیا دیکھی ہے شادی کے بعد لڑکے بیوی کے کانوں سے سنتے اور بیوی کی آنکھوں سے دیکھتے ہے۔۔ماں بے چاری تو کسی گنتی میں نہیں آتی۔۔۔'' زیتون بانو نے تنویر حسین کو مزید جذباتی کیا۔

''۔۔۔میں آپ کو ایسا لگتا ہوں۔۔۔'' تنویر حسین بے چین ہو گیا۔

''نہ۔۔۔نہ میرے لعل۔۔۔تو ایسا نہیں ہے مگر تیری بیوی کا مزاج کیسا ہے یہ پتا نہیں۔۔۔ایسا نہ ہو کہ کل کلاں کو وہ میری چوٹی پکڑ کر گھر سے باہر نکال دے تو میں بیوہ بوڑھیا کہاں جاؤنگی۔۔۔'' زیتون بانو باقاعدہ رونے لگی۔

''اماں۔۔اماں۔۔'' تنویر حسین سچ مچ گھبرا گیا۔''اماں ایسا کیوں سوچ رہی ہو۔۔اگر کبھی میری بیوی نے آپ سے اونچی آواز سے بھی بات کی تو وہ دن اس کا اس گھر میں آخری دن ہوگا میں تین حرف کے ساتھ اسے اس کے گھر واپس بھیج دونگا۔۔'' تنویر حسین نے آخر کار وہ جملہ بول ہی دیا جس کا زیتون بانو کو انتظار تھا۔

''مجھے تجھ پر پورا اعتبار ہے تانی بیٹا۔۔۔میں تو اب صرف اس لئے زندہ ہو کہ تیرے بیٹے کا منہ دیکھ لو تو مجھے جلدی سے دادی بننے کی خوشخبری سنا دے۔۔۔'' زیتون بانو آنسو پونچھتے ہوئے بولی تو تنویر حسین مرد ہو کر بری طرح شرما گیا۔

''جا اپنے کمرے میں جا۔۔تیری دلہن انتظار کر رہی ہوگی۔۔'' تھوڑی دیر بعد زیتون بانو نے تنویر حسین سے کہا۔

''کرنے تو انتظار۔۔کوئی انتظار کرتے کرتے مر تو نہیں جائے گی۔۔'' تنویر حسین نے بے زاری سے کہا اور زیتون بانو کے پاؤں دبانے لگا تھوڑی دیر میں زیتون بانو کی آنکھ لگ گئی تو تنویر حسین نے نہایت آہستگی سے اپنی ماں کو چادر اوڑھائی اور دبے قدموں کمرے سے باہر نکل گیا۔

تنویر حسین بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا اب اس کے جذبات میں وہ گرمی نہیں تھی جو تھوڑی دیر پہلے تھی زیتون بانو کی باتوں نے تنویر حسین کے سارے جذبات ٹھنڈے کر دیئے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی شادی نے اس کی ماں کو کتنے خدشات میں مبتلا کر دیا ہے اور وہ کتنی بے سکون ہو گئی ہے یہ سب سوچتے ہوئے تنویر حسین اپنے کمرے میں پہنچا دروازے کی چٹخنی لگا کر مسہری کی جانب بڑھا مسہری پر صابرہ دل میں کئی ارمان سنجالے سمٹی بیٹھی تھی تنویر حسین چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا مسہری کے پاس آیا قدموں کی آہٹ سن کر صابرہ مزید سمٹ گئی خوبصورت سی مسکان اس کے لبوں پر مچلنے لگی شرم سے اس کی آنکھیں جھکی جا رہی تھیں تنویر حسین مسہری کے قریب پہنچ کر مسہری پر بیٹھ گیا تنویر حسین کے بیٹھتے ہی صابرہ مزید سمٹ گئی تنویر حسین نے صابرہ کا گھونگھٹ اٹھائے بغیر صابرہ کو مخاطب کیا۔

آپ اپنی کہانیاں، لطیفے، اقوال زریں، سفرنامے، انٹرویوز، شاعری وغیرہ ہمیں واٹس ایپ بھی کر سکتے ہیں۔شاہین ڈائجسٹ سے متعلق کسی بھی پریشانی یا آراء وتجاویز کے لیے چوبیس گھنٹے رابطہ کریں۔شکریہ۔ایڈیٹر

محمد ندیم عباس میواتی
0306-9034595
SHAHEENDIGEST786@GMAIL.COM

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

"صابرہ۔۔۔آج نکاح کے دو بولوں سے تو میری بیوی بن گئی ہے اور میں تیرا شوہر بن گیا ہو مگر یاد رکھنا تیرا شوہر بنے سے پہلے میں اپنی بیوہ ماں کا بیٹا ہوں۔۔میری ماں نے بڑی تکلیفیں اٹھا کر مجھے پالا ہے اس دنیا میں مجھے اپنی ماں سے زیادہ کسی سے محبت نہیں ہے لہذا اگر کبھی زندگی کے کسی موڑ پر تمہاری وجہ سے میری ماں کا دل دکھا تو تم سمجھ لینا وہ دن تمہارا اس گھر میں آخری دن ہوگا۔۔۔میں۔۔۔"

" میں کبھی بھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دونگی میری زندگی کا مقصد آپ کو اور اماں جی کو خوش رکھنا ہے۔۔" صابرہ نے تنویر حسین کی بات مکمل نہ ہونے دی اور تڑپ کر جواب دیا۔

یہ گھر اس کی آخری پناہ گاہ ہے اس گھر سے نکل کو وہ کہاں جاتی ۔۔۔اس کے سامنے بیٹھا شخص اس کے سر کا سائیں ہے اس کا مجازی خدا ہے اس کی ہر خواہش ہر حکم بجالانا اس کی عبادت ہے۔۔بن ماں باپ کی کچے پکے مکان میں رہنے والی صابرہ کے لئے تنویر حسین جیسے گھبرو جوان کی رفاقت ایک نعمت تھی جس پر وہ خدا کا جتنا شکر بجالاتی کم تھا صابرہ تنویر حسین کا ساتھ پا کر بے حد خوش تھی۔زیتون بانو کی باتوں نے تنویر حسین کے جذبات کو بے شک ٹھنڈا کر دیا تھا مگر اب جبکہ صابرہ نے خود گھونگھٹ الٹ کر اسے طمینان بخش جواب دیا تو تنویر حسین مطمئن ہو گیا۔اب تنویر حسین پر شوق نظروں سے صابرہ کے چہرے کو گھور رہا تھا اس کے نظریں صابرہ کے حسین چہرے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔

صابرہ تنویر حسین کے مسلسل گھورنے پر بری طرح شرما گئی۔اس نے غیر ارادی طور پر اپنا گھونگھٹ خود ہی اٹھا دیا تھا مگر اب شرم سے اس کا برا حال تھا۔وہ اپنے حنائی ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا رہی تھی۔ادھر تنویر حسین کا دل بھی صابرہ کے حسن کے قصیدے پڑھنے کو چاہ رہا تھا مگر دماغ میں ماں کی باتیں گونج رہی تھیں کہیں صابرہ اپنی تعریفیں سن کر اس کے سر پر نہ چڑھ جائے۔آخر دل وہ دماغ کی اس کشمکش میں جیت دماغ کی ہوئی اور تنویر حسین نے مزید کوئی بات کئے بغیر ہاتھ بڑھا کر لائٹ بند کر دی۔وقت گزرتا رہا وقت کا چرکا گھومتا رہا صابرہ تنویر حسین کے گھر میں دو وقت کی روٹی کے عوض گھر کا سارا کام کرتی اور اپنی ساس زیتون بانو کے طعنے سنتی کئی بار زیتون بانو نے صابرہ پر ہاتھ بھی اٹھایا مگر صابرہ سر جھکا کر نہایت دلجمعی سے زیتون بانو اور تنویر حسین کی خدمت کرتی رہتی تھی۔کبھی کبھی صابرہ کا بھی دل چاہتا تھا کہ اس کا شوہر اس سے پیار کرے اس کی دل جوئی کرے جب وہ تھک ہار کر رات کو بستر پر لیٹے تو اس کا شوہر اس کے دل کے زخموں پر اپنے پیار کا مرہم رکھے کبھی اس کے لئے گجرا لائے اس کو کوئی تحفہ دے مگر تنویر حسین کے دماغ میں زیتون بانو نے شادی کی پہلی رات جو زہر بھرا تھا وہ اتنا طاقتور تھا کہ لاکھ صابرہ کی خدمت کے تنویر حسین کا دل صابرہ کے لئے نرم نہ پڑ سکا وہ کئی کئی روز تک صابرہ کو مخاطب بھی نہیں کرتا تھا بس مردانہ ضرورت کے لئے ہی تنویر حسین کو صابرہ کی ضرورت پڑتی تھی ورنہ تنویر حسین رات کو کام پر سے آتے ہی اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ جاتا اور زیتون بانو کے ساتھ ہی کھانا کھاتا کھاتے وقت اسے کبھی صابرہ کی یاد نہیں آئی نہ ہی اس نے کبھی صابرہ سے پوچھا کہ اس نے بھی کھانا کھایا یا نہیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

رات گئے تک تنویر حسین اپنی ماں سے باتیں کرتا رہتا اور پھر جب اس کو نیند ستانے لگتی تو کمرے میں آ کر سو جاتا۔ صابرہ رات رات بھی اس انتظار میں کاٹتی کہ شائد کبھی تنویر حسین اس سے اس کا حال چال بھی پوچھ لے مگر۔۔۔ مگر تنویر حسین بے حس مجسمے کی طرح سوتا رہتا اور صابرہ اپنی قسمت پر آنسو بہاتی رہتی۔

اسی طرح پانچ سال گزر گئے ان پانچ سالوں میں اور تو کچھ نہیں بدلا ہاں زیتون بانو کے طعنوں میں تیزی آ گئی اب زیتون بانو دیگر طعنوں کے ساتھ صابرہ کو بانجھ ہونے کا طعنہ بھی دینے لگی زیتون بانو صابرہ کو بے ثمر درخت کہتی تھی وہ ہر آئے گئے کہ سامنے یہ دکھڑا روتی اور برملا اپنے لاڈلے بیٹے کی دوسری شادی کی بات کرتی تنویر حسین کی دوسری شادی کا سن کر صابرہ اندر تک لرز جاتی یہ گھر اس کی آخری پناہ گاہ ہے یہاں سے نکل کر وہ کہاں جا سکتی تھی صابرہ گڑگڑا کر خدا سے اولاد کی دعائیں کرتیں۔۔۔ مگر لگتا تھا کہ ابھی صابرہ کے آزمائش کے دن ختم نہیں ہوئے۔ ایک دوپہر جب گرمی اپنے عروج پر تھی انسان تو انسان چرند پرند بھی اپنے ٹھکانوں میں دبکے بیٹھے تھے ایسی چلچلاتی گرمی میں زیتون بانو کے گھر کا دروازہ زور سے کسی نے بجایا۔

"کون آ گیا اس وقت۔۔" زیتون بانو تخت پر پیر پھیلائے بیٹھی ہوئی تھی اور صابرہ ان کے پیر دبا رہی تھی۔

"چل پرے ہٹ۔۔۔ میں دیکھتی ہوں کون ہے۔۔" زیتون بانو نے پاؤں سے صابرہ کو ہٹایا اور تخت سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی۔

"کون ہے۔۔۔" دروازے کے پاس پہنچ کر زیتون بانو نے پوچھا۔

"اماں جی۔۔۔ ہمیں تائی نے بھیجا ہے یہ سامان آپ کو دینا ہے۔۔" دروازے کے دوسری جانب سے ایک لڑکے کی آواز سنائی دی۔

"اچھا۔۔ اچھا کھول رہی ہو دروازہ۔۔" اتنا کہہ کر زیتون بانو نے دروازے کی کنڈلی کھولی اور دروازے کو تھوڑا سا کھول کر باہر جھانکنے لگی یہی زیتون بانو کی غلطی تھی دروازے کو ایک زبردست ٹھوکر لگی اور دو موٹے تازے لڑکے گھر میں داخل ہوگئے۔ دروازے کو لگنے والے زوردار دھکے سے زیتون بانو زمین پر گر گئی مگر پھر فوراً ہی کھڑی ہوگئی۔

"کک۔۔۔ کون ہو تم لوگ۔۔"

"خاموش بڑھیا۔۔۔" ایک لڑکے نے اپنی پینٹ کی جیب سے پستول نکال کر زیتون بانو پر تان لیا۔ پستول دیکھ کر زیتون بانو خوف سے کانپنے لگی دوسرا لڑکا آگے بڑھا اور اس نے اپنا پستول صابرہ پر تان لیا۔

"جو کچھ مال گھر میں رکھا ہے ہمارے حوالے کر دو ورنہ۔۔۔" ایک لڑکے نے زیتون بانو کو دھمکی دی

"ہم۔۔ ہم لوگ غریب لوگ ہے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔۔" زیتون بانو اب سنبھل چکی تھی

"سیدھی طرح بتا دو کہ مال کہاں رکھا ہے ورنہ۔۔۔" لڑکے نے پستول زیتون بانو کی کنپٹی سے لگایا صابرہ خوفزدہ نظروں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

"تم لوگ اچھا نہیں کر رہے ہو۔۔ دیکھ لینا پولیس تم لوگوں کا کیا حشر کرتی ہے۔۔" زیتون بانو نے زور سے چیخ کر کہا زیتون بانو کی بات سن کر ایک لڑکے نے اپنے پستول کا دستہ زور سے زیتون بانو کے سر پر دے مارا زیتون بانو ہلکی سی چیخ کے ساتھ زمین بوس ہوگئی اور ان کے سر سے خون بہنے لگا یہ دیکھ کر صابرہ حواس باختہ ہوگئی اور اماں کہہ کر زیتون بانو کے پاس جانا چاہتی تھی مگر دوسرے لڑکے نے اسے بازو سے پکڑ لیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

''چھوڑ دو مجھے اماں کے پاس جانے دو دیکھو کتنا خون نکل رہا ہے اماں کے سر سے۔۔۔'' صابرہ رونے لگی۔

''خاموش۔۔۔۔بتا۔۔مال کہاں چھپا رکھا ہے۔۔۔'' لڑکے نے صابرہ کی گردن پر پستول کی نال رکھی۔

''لے جاؤ سب کچھ لے جاؤ مگر۔۔خدارا اماں کو چھوڑ دو۔۔'' صابرہ گڑگڑائی

''چل مال نکال۔۔۔۔'' ایک لڑکے نے صابرہ کو دھکا دیا تو صابرہ لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے کی جانب بڑھی

''بڑھیا کا خیال رکھنا میں مال لیکر آتا ہوں۔۔'' ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے سے کہا اور صابرہ کے پیچھے چل دیا۔ کمرے میں پہنچ کر صابرہ نے الماری کھولی اور جو کچھ تھا نکال کر لڑکے کے سامنے رکھ دیا۔

''بس یہی کچھ۔۔۔باقی کا مال کہاں ہے۔۔'' لڑکے نے اپنے سامنے رکھے زیور اور پیسوں کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے صابرہ سے پوچھا۔

''بس یہی کچھ ہے۔۔'' صابرہ مسلسل رو رہی تھی۔

''بس اتنا سا مال۔۔۔۔تنویر حسین کماتا تو اچھا خاصا ہے۔۔۔۔گھر میں روپیہ پیسہ نہیں رکھتا۔۔۔'' لڑکے نے سارا زیور اور پیسے ایک رومال میں باندھے اور اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھ لئے۔

''بس یہی کچھ ہے خدارا سب لے جاؤ مگر ہمیں چھوڑ دو۔۔'' صابرہ مسلسل رو رہی تھی۔

''شٹ۔۔۔اتنی محنت کے بعد بس اتنا سا مال۔۔۔۔'' لڑکے نے مایوسی سے گردن ہلائی پھر کمرے میں چاروں اطراف نظریں گھمانے لگا۔ صابرہ دیوار کے ساتھ سہمی ہوئی کھڑی تھی اس کا دوپٹہ اس کے قدموں میں پڑا تھا وہ مسلسل رو رہی تھی۔

> جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو چھوٹے بندوں کے سائے بھی بڑے دکھائی دینے لگتے ہیں۔

''اتنی محنت کے بعد اتنا سا مال مزا نہیں آیا۔۔'' لڑکے نے کمرے میں نظر دوڑانے کے بعد مایوسی کے عالم میں گردن ہلائی پھر اس کی نظر سہمی ہوئی صابرہ پر پڑی تو اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ کھیلنے لگی اس نے اپنا پستول اپنی جیب میں رکھا اور آگے بڑھ کر صابرہ کو پکڑ لیا صابرہ چیخنے لگی مگر اس لڑکے نے صابرہ کو کمرے میں رکھی مسہری پر دھکا دے کر لیٹا دیا اور صابرہ کے اوپر چھا گیا۔

☆.....☆.....☆

صابرہ پر ایک قیامت گزر چکی تھی۔ وہ بے حس مسہری پر پڑی تھی۔ ڈاکو لڑکا مال و دولت کے ساتھ صابرہ کی عزت بھی لوٹ کر لے گیا تھا۔ کافی دیر تک صابرہ بے سدھ مسہری پر پڑی رہی پھر اسے زیتون بانو کا خیال آیا تو وہ گھبرا کا اٹھ بیٹھی اور دوڑتے ہوئے کمرے سے نکل کر صحن میں پہنچی صحن کے فرش پر زیتون بانو بے ہوش پڑی تھی۔ زیتون بانو کے سر سے خون نکل نکل کر فرش پر جم چکا تھا۔ صابرہ اپنی تکلیف بھول گئی اور زیتون بانو کو ہوش میں لانے لگی مگر زیتون بانو ہوش میں نہ آئی تو صابرہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

صابرہ کی رونے کی آواز سن کر محلے کے افراد جمع ہو گئے۔ کسی محلے دار نے تنویر حسین کو بھی خبر کر دی تنویر حسین فوراً گھر آ گیا اور زیتون بانو کو ہسپتال لے گیا۔ زیتون بانو ایک ہفتہ بے ہوش رہ کر ہوش میں آ گئی۔ صابرہ اپنی تکلیف بھول کر ساس کی خدمت میں لگ گئی سارے محلے دار اور جان پہنچان والے ان کے گھر ڈکیتی کی واردات اور مال و اسباب لٹنے پر صابرہ سے ہمدردی کر رہے تھے مگر صابرہ کسی کو یہ نہ بتا سکی کہ ڈاکو مال و دولت کے ساتھ اس کی عزت بھی لے گئے۔ صابرہ خاموشی کے ساتھ زیتون بانو کی تیمارداری میں لگی رہی آخر کار صابرہ کی محنت رنگ لے آئی اور زیتون بانو صحت یاب ہو گئی اور زندگی کی جانب لوٹ آئی مگر صابرہ۔۔۔ صابرہ کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی تمام لوگ صابرہ کی حالت کو ڈکیتی کی دہشت سمجھ رہے تھے۔ پھر ایک دن جب صابرہ گھر کے کام کر رہی تھی کہ اس کا سر زور سے چکرایا اور وہ دھڑ کر گر کر بے ہوش ہو گئی۔

"کیا ہوا۔۔۔ کیا ہوا صابرہ۔۔؟"

زیتون بانو اس وقت صابرہ کے پاس ہی کھڑی تھی۔ صابرہ کو گرتے دیکھ کر زیتون بانو لپک کر اس کے پاس پہنچی اور صابرہ کو گھسیٹ کر تخت پر لٹایا اور اسے ہوش میں لانے لگی۔ جب صابرہ ہوش میں نہیں آئی تو زیتون بانو نے پڑوس کے لڑکے کو بھیج کر محلے میں کلینک کرنے والے لیڈی ڈاکٹر کو بلایا۔

لیڈی ڈاکٹر نے صابرہ کو انجکشن لگایا تو صابرہ ہوش میں آ گئی پھر لیڈی ڈاکٹر صابرہ کا چیک اپ کرنے لگی۔ صابرہ کا چیک اپ کرنے کے بعد لیڈی ڈاکٹر مسکرانے لگی اور مسکرا کر زیتون بانو سے کہا۔

"مبارک ہو اماں۔۔ آپ کو۔۔۔ آپ کی دعائیں رنگ لے آئی ہیں۔ آپ دادی بننے والی ہے۔۔"

"کیا.....؟"

"ہاں آپ کی بہو ماں بننے والی ہے۔۔ مگر یہ بہت کمزور ہے۔۔۔ آپ کو اس کا پورا پورا خیال رکھنا پڑے گا اسے مکمل بیڈ ریسٹ کی ضرورت ہے اور اس کی ڈائٹ کا بھی خاص خیال رکھئے۔۔۔ میں کچھ دوائیں لکھ دیتی ہو آپ منگوا لیجیے۔۔۔" لیڈی ڈاکٹر نے کہا اور دوائیں لکھ کر زیتون بانو کو دی پھر صابرہ کی جانب مڑی اور صابرہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

"تمہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔۔۔ لہذا زیادہ سے زیادہ آرام کرنا۔۔" اتنا کہہ کر لیڈی ڈاکٹر اپنی فیس لیکر چلی گئی

لیڈی ڈاکٹر کے جاتے ہی زیتون بانو صابرہ سے لپٹ گئی اور اسے پیار کرنے لگی۔

"میری رانی۔۔۔ تو نے دیر سے سہی مگر مجھے خوشخبری سنا ہی دی۔۔۔ تو۔۔ تو اب آرام کر میں خود گھر کے سارے کام کر لونگی۔۔ تو، تو میری آئندہ نسلوں کی امین ہے۔۔" زیتون بانو صابرہ کو پیار کرتے ہوئے بولی۔

صابرہ حیران نظروں سے زیتون بانو کو دیکھ رہی تھی ان پانچ سالوں میں پہلی بار زیتون بانو نے صابرہ کو پیار کیا تھا۔ صابرہ حیران حیران نظروں سے زیتون بانو کو دیکھ رہی تھی۔

"تو ایسا کر اپنے کمرے میں جا اور آرام کر۔۔۔ میں یہ خوشخبری تانی کو بتا کر آتی ہو۔۔۔" زیتون بانو نے کہا اور صابرہ کو سہارا دے کر اس کمرے تک پہنچایا اور صابرہ کو آرام سے مسہری پر لیٹا دیا اور پھر گھر سے باہر چلی گئی۔

ادھر صابرہ کا ذہن مختلف سوچوں میں گھرا تھا۔

"یہ۔۔ یہ بچہ تانی جی کا تو نہیں ہے۔۔۔ یہ تو۔۔۔ یہ تو۔۔ اس ڈاکو کا ہے۔۔۔ جو۔۔۔" صابرہ خوف سے لرز رہی تھی دو ماہ پہلے کا واقعہ اس کے ذہن میں تازہ ہو گیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

"میں۔۔تانی جی کو سب سچ بتادونگی۔۔۔یہ بچہ ان کا نہیں ہے۔۔۔میں تانی جی کو دھوکا نہیں دے سکتی۔۔۔" صابرہ مسلسل سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

صابرہ نے دھیرے سے اپنے پیٹ کو سہلایا وہ دھیرے دھیرے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"میں نے اس بچے کے لئے کتنی دعائیں مانگی۔۔مگر۔۔۔مگر اس طرح بچہ۔۔۔نہیں نہیں۔۔۔" صابرہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

اسی وقت بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی تنویر حسین کی آواز بھی ابھری تنویر حسین صابرہ کو پکار رہا تھا صابرہ نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے۔اسی وقت تنویر حسین کمرے میں داخل ہوا اس کے ہاتھ میں کافی سامان تھا اس نے سامان مسہری کے ایک کونے پر رکھا اور مسہری پر صابرہ کے مقابل بیٹھ گیا پھر اس نے بڑے پیار سے صابرہ کا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور صابرہ کے ماتھے پر پیار کیا صابرہ نے حیران نظروں سے تنویر حسین کو دیکھا آج تک تنویر حسین نے اسے اس طرح پیار نہیں کیا تھا۔

"صابرہ۔۔۔اماں نے مجھے بتا دیا ہے۔۔۔سچ صابرہ میں۔۔۔میں بہت خوش ہوں۔۔۔اور یہ خوشی تم نے مجھے دی ہے۔۔۔سچ ہے خدا کے گھر دیر ہے اندھیر ہے۔۔۔اب ہمارے گھر بھی ننھا مہمان آئے گا۔۔۔اف وہ مجھے پاپا کہہ کر پکارے گا تو کیسا لگے گا۔۔۔" تنویر حسین اپنی ہی رو میں بولتا جا رہا تھا پھر اس نے صابرہ کو اپنے سینے سے لگایا۔

"دیکھ میں تیرے لئے کیا لایا ہوں۔۔۔" تنویر حسین نے مسہری کے کونے میں رکھا بڑا سا شاپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھ تیرے لئے میں یہ سوٹ لایا ہوں۔۔۔" تنویر حسین نے صابرہ کو کڑائی والا سوٹ دیتے ہوئے کہا تو صابرہ سوٹ ہاتھ میں لئے حیران نظروں سے تنویر حسین کو دیکھ رہی تھی جو شاپر میں سے اور چیزیں بھی نکال رہا تھا۔

"یہ دیکھ یہ سونے کا ہار صرف تیرے لئے ہے۔۔جب اماں نے مجھے یہ خوشخبری سنائی تو میں سیدھا سنار کے پاس گیا اور یہ ہار خرید کر لے آیا۔۔۔یہ ہار تجھ پر بہت اچھا لگے گا۔۔" تنویر حسین نے اتنا کہہ کر ہار کو ڈبے سے نکالا اور صابرہ کے گلے میں پہنانے لگا صابرہ کو لگ رہا تھا کہ آج وہ حیرت سے مر ہی نہ جائے تنویر حسین اس کے لئے تحفہ لایا۔۔۔

صابرہ حیران حیران نظروں سے تنویر حسین کے تکے جا رہی تھی۔

" اوہ ۔۔صابرہ آج۔۔۔آج میں بہت خوش ہوں۔۔بہت خوش۔۔۔" تنویر حسین نے صابرہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا

"کیا مجھے۔۔تانی جی کو سچ بتا دینا چاہئے۔۔۔" صابرہ نے سوچا۔

"اگر۔۔۔اگر تم تانی جی کو سچ بتا دونگی تو سوچو ان کے دل پر کیا گزرے گی وہ آج کتنا خوش ہے۔۔کیا تم ان سے ان کی خوشیاں چھین لینا چاہتی ہو۔۔" صابرہ کے اندر سے ایک دوسری آواز ابھری۔

"لیکن۔۔۔لیکن ۔۔اگر نہیں بتاؤنگی تو یہ دھوکا ہوگا۔۔۔" صابرہ مسلسل سوچوں کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی۔

"نہیں صابرہ یہ دھوکا نہیں ہے۔۔۔سنا ہے قیامت کے دن بچے اپنی ماں کے نام سے پکارے جائے گے تمہارا یہ بچہ بھی تمہارے نام سے پکارا جائے گا۔۔۔تمہارا یہ بچہ بہت قسمت والا ہے جو دنیا میں آنے سے پہلے اتنے سب لوگوں کو خوشیاں دے رہا ہے۔۔۔خدا کے لئے ان سب کی خوشیاں مت چھینو۔۔۔" صابرہ کے اندر سے پھر ایک آواز ابھری۔

صابرہ نے ایک لمحے کو صرف ایک لمحے کو سوچا اور پھر تنویر حسین کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو نکلے اور تنویر حسین کی قمیص میں جذب ہو گئے۔

ضرغام محمود۔مکان نمبر 233 فیز 3 معین آباد ماڈل کالونی کراچی

03212188214

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

''سڑک''

مجید احمد جائی.....ملتان شریف

وہ ایک سہانی صبح تھی۔ بادلوں کی گھن گرج، کڑکتی آسمانی بجلی نے خوف سا پیدا کر رکھا تھا۔ صبح ہوتے ہی ہر طرف اندھیرے کی چادر تن گئی تھی۔ ہوائیں زرد پتوں کو روئی کے گالوں کی طرح اڑاتی پھرتی تھیں۔ رِم جھم پھوار نے برساتی بارش کا روپ دھار لیا تھا۔ ہر طرف پانی ہی پانی، چڑیاں، کوّے، لالیاں بارشی پانی میں نہا رہی تھیں۔ بارشی پانی میں اپنے پَروں کو پھڑ پھڑا کر پانی کے چھینٹے اڑا رہی تھیں۔ پھر بارش رُک گئی تھی اور پانی کے قطرے سورج کی ہلکی ہلکی روشنی میں سنہرے موتیوں کی طرح چمکنے لگے۔ درختوں کی چھوٹی بڑی شاخیں مست ہواؤں میں جھوم رہی تھیں۔ ہر طرف مستی کی فضا چھائی تھی لیکن دِینو بابا گاؤں سے شہر جاتی پکی سڑک کے کنارے آلتی پالتی مارے دور جاتی سڑک کو تک رہا تھا۔

یہی سڑک تھی جس نے اُسے کرب کی تپتی ریت پہ بیٹھا دیا اور اُسے وقت سے بہت پہلے بوڑھا کر دیا تھا۔

دِینو کا گاؤں کثیر آبادی پر مشتمل تھا۔ یہ اُن دِنوں کی بات ہے جب دین محمد عرف دِینو جوان تھا۔ قد کاٹھ لمبا، سینہ چوڑا، خوبصورت نین نقش، بھرا بھرا جسم، سادہ لباس، طبیعت میں دیہاتی پن، سر پہ روایتی پگڑی اُس کی شخصیت کو نکھارتی تھی۔ ملنسار اور مہمان نواز تھا۔ حسن و جمال اُس کے انگ انگ سے ٹپکتا تھا۔ جب بولتا تو لفظوں میں مٹھاس ہوتی۔ کسی نے اُسے لڑتے نہیں دیکھا تھا، ہر ایک سے محبت سے ملتا تھا۔ غصہ تو اُس سے دور بھاگتا تھا۔

دینو کا والد اُس کے بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ ماں اُس وقت چھوڑ گئی تھی جب دِینو جوانی کی پہلی سیڑھی چڑھ رہا تھا۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد عزیز و اقارب ایسے غائب ہوئے جیسے خزاں سے پہلے بہار جاتی ہے۔ ماں باپ کا اکلوتا تھا۔ باپ نے وارثت میں پانچ ایکڑ زمین چھوڑی تھی۔

دِینو بابا پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ گاؤں میں سکول کی سہولت نہیں تھی۔ پورا گاؤں پسماندہ۔ سکول نہ ہسپتال، صفائی کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا۔ گھروں کے گندے پانی کے اخراج کے لئے کچی نالیاں بنی ہوئی تھیں جو آئے روز بند ہو جاتیں اور بدبودار گندا پانی پورے گاؤں میں پھیل جاتا۔ مچھروں کی تو جیسے عید ہو۔ اُن کے معشوقے چل پڑتے اور خلقت انسانیت دینگی، ملیریا جیسی موذی مرض میں مبتلا ہو جاتی۔ بچے تو جلد اِن بیماریوں کی لپیٹ میں آ جاتے اور آئے روز اِس گاؤں کی آبادی بڑھنے کی بجائے کم ہوتی جاتی۔ ہر چہرے سے اُداسی، مایوسی واضع دِکھتی تھی۔۔۔تن پہ صاف ستھرا کپڑا تک میسر نہ تھا اور خوراک تو۔۔۔کیا کہنے۔۔۔؟

Downloaded from https://paksociety.com

گاؤں کا شہر سے رابطہ بالکل نہیں تھا۔۔غربت میں پسا یہ گاؤں اپنی مدد آپ کے تحت زندگی کی گاڑی کو دھکیلنے میں مصروف عمل تھا۔گاؤں والوں کی فصلیں کھیتوں میں پڑی پڑی گل سڑ جاتی۔منڈیوں تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے رزمبادلہ مل نہ سکتا تھا۔جو اناج استعمال ہوتا کرتے باقی کھیتوں میں خراب ہوتا رہتا۔یوں گاؤں غربت،افلاس اور سیاسی لیڈروں کی ہٹ دھرمی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا تھا۔

برسات کا موسم گاؤں کے لئے کسی عذاب سے کم نہ ہوتا۔کہیں چھت گری ہے تو کہیں کسی کا صحن دریا کی شکل اختیار کر گیا ہے۔۔کہیں دیوار گری ہے تو کہیں کسی غریب کی کچی بیٹھک بیٹھ جاتی۔

دِینو ہر کسی کے کام آتا۔۔جذبہ انسانیت اُس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔یہ بھی برسات کا موسم تھا۔بارش تھم گئی تھی،عورتیں بالٹیاں،پراتیں لے کر اپنے اپنے گھر کے صحن سے بارشی پانی نکال رہی تھیں کہ ایک دَم شور اُٹھا۔شرفو۔۔۔شرفو کا مکان گر گیا ہے۔۔چیخ و پکار۔۔۔بچاؤ۔۔۔بچاؤ۔۔۔کی آوازیں زور پکڑ گئیں۔

دِینو اپنے گھر سے دھوتی باندھے،بدن کو بنیان سے ڈھانپے ہوئے باہر کی طرف بھاگا اور شرفو کے گھر بارشی پانی میں چھما چھم کرتے پہنچ گیا۔

وہاں گاؤں والوں کا ہجوم جمع تھا۔کوئی کسّی سے انٹیں ہٹا رہا ہے تو کوئی کچھ۔۔ملبے تلے تھڑکتے جسم سسک رہے تھے۔۔۔ریسکیو کی سہولت نہ فضائی امداد۔ایسے لگتا اِس گاؤں کا ہر طرف سے رابطہ منقطع ہے۔۔۔گاؤں کے چاروں طرف پانی ہی پانی۔۔دِینو نے گاؤں والوں کے ساتھ مل کر شرفو کی فیملی کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔۔شرفو،اُس کی بیوی اور اُس کا کم سن بیٹا مکان گرتے ہی ہلاک ہو گئے اور صرف جوان سالہ شرفو کی بیٹی بختو بمشکل ملبے تلے سے زندہ سلامت بچ نکلی۔۔۔

بارش رُک گئی گویا طوفان تھم گیا مگر بختو کے گھر یہ بارش زحمت بن کر برسی تھی۔ایک قیامت تھی جو اُس کے گھر ٹوٹی تھی۔روتے دھوتے وقت سرک گیا اور گاؤں والوں کی رضامندی سے بختو کو دِینو کے نکاح میں دے دیا گیا۔

یوں دِینو اور بختو۔۔میاں بیوی کے بندھن میں بندھ کر ایک چھت کے نیچے زندگی کی گاڑی کو دھکیلنے لگے۔خزاں کے بعد بہار رُت آئی تھی۔فیصلوں،درختوں،پرندوں،چرندوں نے خوب جشن بہاراں منایا تو اِنسان بھی خوشی سے لوٹ پوت ہونے لگے۔

اِنسان کتنا کم ظرف وارد ہوا ہے۔۔لمحوں بھر کی خوشی میں برسوں کے درد و غم بھول جاتا ہے اور اس طرح دولت کے نشے میں رشتے داروں،ساتھیوں کو بھول جاتا ہے۔جس طرح دِینو کے رشتے دار منہ موڑ گئے تھے۔لیکن حیران کن بات تو یہ ہے کہ اِنسان کتنی ہی نافرمانیاں کرے،کتنی ہی گستاخیاں کرے،کتنے گناہ کرے وہ ذات جو نیلے آسمان پہ کھڑی ہے منہ نہیں موڑتی بلکہ اِس انتظار میں رہتی ہے کہ کب میرا بندہ میری طرف لوٹتا ہے۔اِنسان گناہ پہ گناہ کیے جاتا ہے اور وہ رحمان رحمتوں،نعمتوں سے نوازتا جاتا ہے۔ہر عیب پہ پردہ ڈال کر عزت و احترام کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔اپنے بندے کو ذلیل و خوار نہیں کرتا۔قدرت رکھتے ہوئے بھی رحم کرتا جاتا ہے اور اِنسان کتنا بے شرم ہے اُس پیدا کرنے والی ذات ''اللہ'' کو مانتا ہے لیکن اللہ کی ایک بھی نہیں مانتا۔اُس کا ڈر و خوف نہیں ہے۔ڈھٹائی سے گناہ در گناہ کرتا جاتا ہے اور اِس افراتفری میں موت کا پروانہ آجاتا ہے اور یہ اِنسان اپنی عاقبت خراب کر جاتا ہے لیکن جسے رب رحیم توبہ کی توفیق دیتا ہے۔۔۔توبہ کرتا ہے اور دین و دُنیا اور آخرت سنوار لیتا ہے۔۔جو بندہ رب کا ہو جاتا ہے رب بھی اُس کا ہو جاتا ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

دِینواور بختو مثالی میاں بیوی ثابت ہوئے۔ دِینو کی طرح بختو بھی اَن پڑھ تھی لیکن حسن و جمال کی ملکہ تھی۔ میک اپ نام کی کوئی چیز نہیں تھی پھر بھی وہ چٹی گوری تھی۔ قدرتی حُسن میں پری نما لگتی تھی۔

زندگی کے مہ و سال گزرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے آنگن میں پھول کھلا دیئے۔ سلیمان اور کامران کی صورت میں دو پھول اُن کے آنگن میں آ گئے تھے۔ دونوں بہت پیارے اور ہر دل عزیز تھے۔ ان دونوں کی وجہ سے آنگن میں رونقیں لوٹ آئیں اور دِینو جب بھی کھیتوں سے گھر لوٹتا، دونوں بچوں کو بانہوں میں بھر لیتا۔ دن بھر کی تمام تھکاوٹ دور ہو جاتی۔۔۔ بچوں کی قلقاریاں اُس کی روح تک سرشار کر دیتی اور دِینو بچوں کے ساتھ خود بھی بچہ بن جاتا، اُن کے ساتھ کھیلتا۔ کبھی صحن میں اُن کی سواری بن جاتا اور سلیمان اور کامران اُس کی پیٹھ پہ سوار ہو کر صحن بھر کی سیر کرتے۔ دِینو کے لئے دونوں بچے جان تھے تو بختو اُن پہ جان چھڑکتی تھی۔

دن گزرتے رہے اور سلیمان اور کامران بچپن سے لڑکپن سے ہوتے جوانی کی دہلیز پہ قدم جمانے لگے۔ دِینو اور بختو کے بالوں میں چاندی اُترنے لگی تھیں اور ہڈیاں کمزور ہونے لگی۔ بڑھاپا سر چڑھ کر بولنے لگا۔۔۔

کئی بہاریں آئی اور لوٹ گئیں۔ ساون رُت آتی تو دِل کے تار بج اُٹھتے۔ یہ بھی اِنہی برساتی دِنوں کی بات ہے۔ الیکشن سر پہ آئے تو سیاسی لیڈروں نے اس پسماندہ گاؤں کی طرف رُخ کیا۔۔۔ کھوکھلے وعدے ہوئے، جھوٹ پہ جھوٹ بولے گئے۔۔۔ اپنے مفاد کے لئے ہر حد سے گزرنے کے اعلان ہوئے۔ دیہاتیوں کے دِلوں سے کھیلا گیا۔۔۔ لیکن ایک سیاسی پارٹی کے لیڈر نے صداقت دکھائی۔ گاؤں میں پکی نالیاں، گیس، بجلی اور گاؤں سے شہر تک پکی سڑک کی اُمید دلائی اور پھر الیکشن کے بعد یہ وعدہ وفا ہوا۔ گاؤں کو شہر کے ساتھ ملایا گیا۔۔ پکی سڑک بن گئی۔ گاؤں میں بجلی، گیس آ گئی، پکی نالیاں بن گئیں۔ گاؤں کی قسمت بدل گئی۔ تبدیلی آ گئی۔۔۔ گاؤں والوں کی منڈیوں تک رسائی ہو گئی تو لوگوں کے دِل تنگ ہونے لگے۔۔۔ زبان پہ شکوے، دِلوں میں نفرتیں عنود کر آئیں۔ نگاہوں میں بے شرمی اور گفتار میں بد تمیزی آ گئی۔ اِس ماحول کا اثر گاؤں کے ساتھ ساتھ دِینو کے گھر پلتے سلیمان اور کامران پر بھی ہونے لگا۔۔۔

گاؤں ترقی کی طرف گامزن ہو گیا۔ اونچے اونچے محل تعمیر ہونے لگے۔ گیٹ بڑے بڑے بننے لگے تو دِل کے دروازے چھوٹے ہو گئے۔۔ محبتیں ناپید ہوتی گئیں۔ گاؤں میں جرائم شروع ہو گئے۔۔۔ گاؤں میں اسکول، ہسپتال بن گئے۔ ہر سہولت میسّر ہونے لگی۔

دِینو نے سلیمان اور کامران کو اسکول داخل کروایا۔ وہ گاؤں کے ماحول سے نکل کر شہر میں کالج یونیورسٹی تک پہنچ گئے۔ اب وہ جوان ہو گئے تھے اور دِینو اور بختو بڑھاپے میں جا پہنچے تھے اور پھر ایک شام قدرت خداوندی کی طرف سے بختو کا بلاوا آ گیا اور دِینو۔۔۔ پھر سے تنہا ہو گیا۔۔

سیانے سچ ہی کہتے ہیں کہ جب بڑھاپا آتا ہے تو بیوی ہی شوہر کا سہارا ہوتی ہے، دُکھ سکھ کی ساتھی، دِینو،، بختو کو یاد کر کے پہروں روتا۔۔۔ گھر کا صحن ویران اور در و دیوار وحشت زدہ ہو گئے۔۔۔ وہ گھر جہاں خوشیاں تھیں، مسکراہٹیں تھیں کاٹنے کو آتا۔ خوشیاں لوٹ گئی تھیں، اب صرف اُداسی، مایوسی کے سائے منڈلاتے تھے۔۔۔۔ وحشت زدہ گھر تھا اور دِینو۔۔۔۔۔ دونوں بیٹے ماں کے مرنے پہ آئے تھے اور ماں کے لاشے کو کندھے تو آ کر دیئے اور پھر ایسے شہر کی طرف گئے کہ پھر گاؤں کا رُخ تک نہ کیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

دینوان کے سروں پہ سہرے سجانے کے خواب دیکھ رہا تھا اور سلیمان اور کامران کچھ اور سوچ رہے تھے۔ دونوں نے یونیورسٹی میں اپنی کلاس فیلو کے ساتھ معشوقے کیے۔ عشق کی پتنگیں اڑی کہ دونوں بھائیوں نے کورٹ میرج کر کے اپنے اپنے گھر شہر میں بسا لئے اور باپ کو بھول گئے۔ اُس باپ کو جس نے گھر کے کچے صحن میں انگلی پکڑ کر پاؤں پاؤں چلنا سکھایا تھا۔۔۔

بختو کو فوت ہوئے دو سال ہو گئے تھے اور یہ دو سال کس کرّب، درد، مشکلات میں گزرے، یہ تو کوئی دِینو بابا سے پوچھے۔۔۔ دِینو اب دِینو بابا ہو گیا تھا۔۔۔

دِینو اَن پڑھ اور سادہ دِل تھا۔ زمانے کی ہوا نے اُسے نہیں بدلا تھا۔۔۔ موبائل آ بھی گئے لیکن دِینو کو موبائل کا استعمال نہ آیا۔۔۔ اور پھر دونوں بیٹوں کا کوئی اتا پتا نہ لگ سکا۔۔۔

دِینو صبح سے شام تک گاؤں کی اُس پکی سڑک پہ بیٹھتا ہے جس سڑک نے گاؤں کو شہر سے ملایا ہے۔ اس سڑک پہ الٹی پلٹی مارے بیٹوں کی راہ تکتا ہے لیکن بیٹے اپنی خرمستیوں میں گم ہیں۔۔۔ دِینو پکی سڑک کو ہاتھوں سے کھرچتا رہتا ہے اور سوچوں کی وادی میں گم ہو جاتا ہے۔ دِینو سوچتا ہے۔۔۔ کاش۔۔۔ یہ سڑک نہ بنتی تو میرے بیٹے میرے پاس ہوتے۔۔۔ یہ سڑک ہی میری دُشمن ہے جس نے میرے لختِ جگر چھین لئے ہیں۔۔۔ جس دن گاؤں سے شہر تک سڑک بن رہی تھی گاؤں والوں کی خوشی دیدنی تھی۔ ہر چہرہ کھلکھلا اُٹھا تھا لیکن آج۔۔۔۔ دِینو اُس وقت کو یاد کر کے روتا ہے جب سیاسی لیڈر کو گاؤں سے شہر تک پکی سڑک بنانے کا کہا تھا۔۔۔ کاش یہ دن کبھی نہ آتا تو میرے بیٹے مجھ سے جُدا نہ ہوتے۔۔۔ گاؤں نے ترقی تو کر لی۔۔۔ لیکن رویّوں میں بھی تبدیلی آ گئی۔ نئی نسل نے دِینو کی قربانیاں بُھلا دی۔

اِنسان نے ترقی تو کر لی لیکن رشتوں کے تقدس کو پامال کر دیا۔ دولت کی ہوس میں ڈوب کر انسانیت کو بُھول گیا۔ نوٹوں کی چمک نے ماں باپ، بہن، بھائی، دوست واحباب تک بُھلا دیئے۔۔۔ جس کے پاس دولت وہی یار اپنا۔۔۔ سلیمان اور کامران کا بھی یہی حال ہوگا اور بیچارہ دِینو آج بھی پکی سڑک پہ بیٹھا اپنے بیٹوں کی راہ تک رہا ہے۔۔۔ دِینو کو گاؤں والے کھانا دے دیتے ہیں۔ وہ کھانا کھاتے نہیں بلکہ روٹی کے ٹکڑوں کو دیکھ کر چھم چھم روتا ہے۔۔۔ دِینو روز جیتا ہے روز مرتا ہے۔۔۔ بس ان حسرتوں میں زندہ ہے کہ بیٹے واپس آ کر اُس کے لاشے کو کندھا تو دے سکیں۔۔۔ دو مٹھی مٹی اُس کی قبر پہ ڈال سکیں۔۔۔

ماہنامہ شاہین ڈائجسٹ سرگودھا میں نئے پرانے تمام رائٹرز کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ اگر آپ میں صلاحیت اور لگن موجود ہے تو دیر اور انتظار کی کوئی وجہ نہیں۔ فوراً قلم اٹھایئے اور اپنے قلم کے کمالات عیاں کیجئے۔ اپنا نام منوایئے اور ثابت کیجئے کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اور اگر آپ کسی وجہ سے نہیں لکھ پا رہے یا لکھنے میں کوئی عار محسوس کر رہے ہیں تو بس فکر ہو جایئے۔ آپ جیسا بھی لکھ سکتے ہیں، لکھ کر ہمیں ارسال کیجئے۔ ہم آپ کی تحریر کی نوک پلک سنوارنے کے بعد اسے قریبی شمارے میں شائع کریں گے۔ اس کے علاوہ آپ ماہنامہ شاہین ڈائجسٹ سرگودھا میں بچوں کے موضوع پر کہانیاں ارسال کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں کسی بھی موضوع پر آپ لکھ سکتے ہیں۔ لطیفے، انٹرویوز، آپ بیتیاں، سچی کہانیاں، سفرنامے، دینی و دنیاوی معلومات، ٹوٹکے، اور شاعری وغیرہ بھی ارسال کر سکتے ہیں۔ تو دیر مت کیجئے قلم اٹھایئے اور لکھنا شروع کیجئے۔ ایڈیٹر

محمد ندیم عباس سیالوی

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

عشق زادے

علی حسنین تابش
0305-3621382

میرے قدم رُک سے گئے سینکڑوں لوگوں میں سے وہ ایک چہرہ میری نگاہوں کے محور میں سما گیا۔عجب سی کیفیت لیے دل میں میرا وجود کسی انجانی قوت سے اُس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔۔رستے میں بہت سے لوگ مجھ سے ٹکرائے مگر میری نگاہیں ہوش وخرد اس چہرے کا طواف کررہی تھے۔میں اُس کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور ایسے دیکھنے لگا کہ یہ کسی اور ہی دُنیا کی مخلوق ہو۔

کچھ عرصہ پہلے اجمیر شریف جانے کا اتفاق ہوا، بزرگان دین کے مزاروں پر جا کر ایک عجب سا سکون قلب ملتا ہے۔وہ میرے ساتھ بیٹھی دودھیا ہاتھوں کا کشکول بنائے اپنے رب سے کچھ مانگ رہی تھی۔اُس کی آنکھوں سے بہتے آنسو بمثلِ الماس چمک رہے تھے ۔اُس کے آنسوؤں کی چمک میں یہ بات واضح تھی کہ اس لڑکی کو کوئی ایسا صدمہ ہے جس کی وجہ سے یہ سچے من سے اپنے رب سے دُعا گو ہے۔اُس کے شبنمی آنسوؤں میں یہ بات واضح تھی کہ اُسے سچا عشق ہوا تھا۔اُس کے چہرے کی معصومیت، جھیل سی گہری آنکھوں سے بہتا پانی، لبوں پہ کسی کو پانے کی آرزو، چہرہ ایسا کہ چودھویں کا چاند ہو۔

مجھ پہ ایک عجیب سا سکتہ طاری تھا۔عمر میں وہ شاید بیس یا بائیس برس کی رہی ہوگی۔میرے من میں بہت سے سوالات جنم لیتے اور کافور ہوتے رہے۔کچھ دیر کے سکوت نے اِک ایسا سماں بنا رکھا تھا کہ جیسے صدیوں سے وقت یہیں تھم چکا ہو۔آبشاروں کا پانی ٹھہر چکا ہو۔اس قدر سکوت کہ اپنے بدن میں ہوتے ارمانوں کے قتل کی آہ وپکار سنائی دے۔اس قدر ہولناک چیخیں کہ سماعتیں پھٹ جائیں۔

وہ اپنی دُعا مکمل کر چکی تھی۔اُس کو دیکھ کر یوں لگا کہ وہ جانے کس جہاں سے لوٹ کر واپس اِس دُنیا میں آئی ہو۔دُوران دُعا اُسے یہاں تک معلوم نہ تھا کہ وہ خود کہاں موجود ہے۔اُس کے دائیں پہلو میں بیٹھا، میں اُس کی ہر اِک ادا میں محو تھا۔میرے لب حرکت میں آئے اور بے ساختہ میں نے کہا۔

''کون ہیں آپ''؟ کیا پریشانی ہے۔؟

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

میرے اِن الفاظ کو سنتے ہی اُس نے چہرہ میری طرف پھیرا اور پلکیں اُٹھائیں۔اُس کے چہرے پر مصومیت تھی۔نگاہوں میں میری ذات کو لے کر سینکڑوں سوالات تھے۔اُس کی بھیگی پلکوں میں اپنا عکس واضح دیکھ رہا تھا۔۔۔چند لمحوں کا سکوت ہم دونوں میں دیوارئی کی طرح حائل ہو گیا۔آخر اُس کے شربتی لب ہلے۔

''م۔۔۔۔۔می۔۔۔۔۔م۔۔۔میں اِسی مزار پر رہتی ہوں ۔۔۔اُس کے بھیگے لہجے میں الفاظ مجھے اور تشویش زدہ کر چکے تھے۔میرے بدن میں اک عجب سا دھما کا ہوا۔یہ حُسن پری مزار پر۔۔۔۔۔۔؟اور وہ بھی مستقل رہتی ہے۔۔بات حیران کُن تھی۔میرے من میں اُس کے بارے میں جاننے کی اِک ننھی کونپل نے جنم لیا۔بے ساختہ میں نے کہا۔۔۔

''کیا آپ مجھے اپنے بارے کچھ بتائیں گی۔؟جھکی پلکیں ایک بار پھر سے اُٹھیں اور اُس نے مجھے دیکھا۔اشکوں کا سیلاب تھا جو شاید بہنے کو جانے کب سے منتظر تھا۔۔۔وہ زاروقطار رونے لگی۔اُس کے بھیگے لہجے میں درد تھا۔ایسا درد جسے کوئی اہل دِل ہی محسوس کر سکتا ہوگا ورنہ آنسو تو خوشی میں بھی نکلتے ہیں۔بے زبان آنسو دل کی آنکھ رکھنے والوں کے لئے بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔اِن سنہری موتیوں کی پہچان ہر کوئی نہیں بلکہ جوہر درد شناش ہی کر سکتا ہے۔۔بھیگے لہجے میں اُس نے کہا۔

''آپ میں مجھے کچھ اپنا پن دیکھائی دیتا ہے ایک ایسی کشش محسوس ہوتی ہے جس کو اپنے پن کا نام ہی دیا جا سکتا ہے۔شاید اِک رمز شناش آپ سا ہی ہوتا ہے۔''

میں اُس کے الفاظ سن کر ششدر سا رہ گیا تھا۔ہم دونوں مزار کے صحن میں آ کر بیٹھ گئے۔دُنیا سے بے خبر میں اُس کے دلکش سراپے میں کھو چکا تھا۔۔اُس نے اپنی کہانی شروع کی۔۔۔میری سماعتیں اُس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''میرا نام تانیہ ہے۔پیار سے سب تانی کہا کرتے تھے۔میرا تعلق کوئٹہ سے ہے۔پاکستان کا خوبصورت ترین شہر۔۔۔بچپن سے ہی والدین کا بے حساب لاڈ پیار ملا۔میں دو بھائیوں سے چھوٹی اور والدین کی لاڈلی تھی۔بھائیوں نے تو بچپن سے ہی پڑھائی کو خیر آباد کہہ دیا تھا۔اب زمینوں کی تمام ذمہ داری اُن کے سپرد تھی۔

میرے ابو جہان خان اثر ورسوخ والے آدمی تھے۔سیاست سے ہی اُن کو فرصت نہ ملی تھی۔مجھے پڑھائی کا بے حد شوق تھا۔ابو کے دِل میں یہ افسوس گھر کر چکا تھا کہ اُن کے بیٹے پڑھائی سے کنارہ کشی اختیار کر چکے ہیں۔اب ابو کو مجھ سے ہی سب اُمیدیں وابستہ تھیں۔وہ مجھے ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے۔میری بھی شاید یہی ننھی سی خواہش تھی۔جسے پروان چڑھانے میں ابو نے میرا بہت ساتھ دیا۔ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مجھے ہائی اسکول میں داخل کروا دیا گیا۔میری ذہانت اور تعلیمی قابلیت سے ابو بہت مطمئن تھے۔وہ مجھے ہر رزلٹ میں اوّل آنے پر انعام اور ڈھیروں دعائیں دیتے تھے۔

ڈاکٹر بننے کا خواب دن بدن مجھ میں کروٹیں بدلتا رہا۔ایک ننھا پودا رفتہ رفتہ جڑیں مضبوط کرتے ہوئے شجر بن رہا تھا۔دل لگا کر پڑھائی کرتی۔میرے بھائی میری تعلیم کے خلاف تھے لیکن ابو کی ڈانٹ کی وجہ سے وہ مجھ سے کوئی بات نہ کہہ پاتے۔بس اندر ہی اندر بھڑکتے رہتے۔

Downloaded from https://paksociety.com

میٹرک میں اوّل پوزیشن پر مجھے ابو نے موبائل فون کا گفٹ لے کر دیا۔ میں بہت خوش تھی۔ ابو خوشی سے کہنے لگے۔ ”جاؤ بیٹا! بلندیوں کو چھولو، چاند کو چھونے کا وقت آچکا ہے۔“ مجھے چاند کو چھونا تھا۔۔۔ مجھے بہت آگے تک جانا تھا۔۔

بچپن میں جب رات کو میں چاند سے بہت سی باتیں کرتی تب ابّو آکر مجھے کہتے۔ ”بیٹا! اک دن ضرور تم بھی اس چاند کی طرح بلند مقام حاصل کروگی اور اپنے باپ کا نام روشن کروگی۔“

آج وہ بے حد خوش تھے۔ کالج میں داخلہ ہوگیا اور میں کالج جانے لگی۔ پہلے تو کالج وین ہی مجھے لے جاتی۔ پھر ابّو نے مجھے گاڑی خرید کر دی۔ اب گاڑی پر کالج جاتی تھی۔ وقت بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑتا چلا گیا۔۔۔۔ F.S C. کب ہوئی۔ کچھ خبر نہ ہوئی۔۔ میرے ابو میری کامیابی پر بے حد خوش تھے۔ F.S.C کرنے کے بعد اب ڈاکٹر بننے کا سپنا پورا ہونے والا تھا۔ اُنہی دنوں کالج کا ٹرپ تیار ہوا۔ ابو نے مجھے جانے کی بھی اجازت دے دی۔ ہمارا ٹرپ بہاول پور جانا تھا۔ میں اپنی دوستوں کے ساتھ تیار ہوگئی ۔۔۔ بہاول پور پہنچے۔۔۔۔ یہ ایک بہت بڑا شہر تھا۔ صحرائی اور نوابی علاقہ تھا۔ بہت سی مشہور جگہوں کی سیر کی۔ بہاول پور کے بارے میں پڑھ چکی تھی۔ قیام پاکستان میں، اس شہر کا بڑا کردار ہے۔

ہم سب صحرا میں نکل گئے۔۔۔ گرم ہوا تھی اور ریت روئی کی طرح اڑتی ہوئی ہمارے چہروں کو چھوتی تھی۔ صحرائی علاقے میں گھومنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ میں اپنی سہلیوں کے ساتھ چل رہی تھی کہ دُور سے آتے ہوئے چند صحرائی جہاز (اونٹ) دِکھائی دیئے۔۔ میرا من اُن کے پاس جانے کو مچل رہا تھا۔ وہ ہم سے کچھ ہی فاصلے پر تھے۔ میں نے آج تک حقیقت میں اونٹ نہیں دیکھے تھے۔ بس تصاویر ہی دیکھی تھیں۔ میں دوڑ کر ان کے پاس چلی گئی۔۔

ایک لڑکا اونٹوں کے آگے چھڑی ہاتھ میں تھامے چل راہ تھا۔ اونٹوں پر سامان لدا ہوا تھا۔ ڈھلتی شام میں اونٹوں کے چلنے کا منظر میری نگاہوں کو بے حد بھایا۔۔۔۔ بے ساختہ ہی مسکراہٹ نے میرے لبوں پر قبضہ جما لیا۔۔۔ میں خوشی سے مچلنے لگی۔ اس لڑکے سے میں نے نام پوچھا۔ شاید مجھے دیکھ کر وہ چونک سا گیا تھا۔ دِکھنے میں بنجارا لگتا تھا۔۔۔ اُس نے اپنا نام ابراہیم بتایا۔۔۔ میرے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ وہ فی الحال اِسی صحرا میں رہتا ہے۔۔۔ جانے کب وہ یہاں سے چلا جائے۔ کچھ معلوم نہیں۔۔۔ اپنی سہلیوں اور اساتذہ کے بلانے پر مجھے واپس گروپ میں لوٹنا پڑا۔ ہماری بات اُدھوری رہ گئی تھی۔۔۔ اُس کی میٹھی میٹھی بولی میرے کانوں میں دیر تک رس گھولتی رہی۔۔۔ شاید مجھے پہلی ہی نظر میں وہ پسند آگیا تھا۔ رات کے کھانے کی تیاری شروع تھی۔۔ کیمپ میں لوٹتے ہی یہ معلوم ہوا کہ کھانا کھا کر واپس چلنا ہے۔۔۔

میری بات اُدھوری رہ گئی تھی اس بات کو لے کر میرے دل میں بہت سے سوال تھے۔۔ وہ کون تھا؟ دِکھنے میں شہزادہ سا لگتا تھا مگر لباس میں فقیری تھی۔۔۔ مگر یہ اونٹ اور اُس کی زندگی کچھ عجیب سی بات لگی تھی۔ اُس کو اس حال میں نہیں ہونا چاہیے تھا، وہ تو شہزادہ ہے، شہزادے اِس روپ میں تھوڑے ہوتے ہیں۔ میں سوچوں میں ڈوبی اپنا بے جان بدن لے کر واپسی کو ئٹہ آگئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

میری سوچوں کا محور وہی تھا، میرا دِل، میرے خیال سب وہیں رہ گئے تھے۔۔۔ چند دن بعد بے چینی حد سے بڑھنے لگی اور میں پھر سے واپس اپنی کار پر اکیلی وہاں چلی گئی۔ ابو سے زندگی میں پہلی بار جھوٹ بولا تھا کہ میں اپنی سہیلی کی شادی پر جا رہی ہوں۔ تین دن تک لوٹوں گی۔۔۔ خیر سفر لمبا تھا۔ اُس کی کشش میں کیسے طے ہوا، خبر تک نہ ہوئی۔

اُسی صحرا میں پہنچ کر میں چہار اطراف نظریں دوڑانے لگی۔ ہر طرف ریت ہی ریت نظر آ رہی تھی۔۔۔ مجھے مایوسی ہوئی۔ دِل تڑپ اُٹھا۔۔۔ مجھے تو صرف اُس کا نام ہی معلوم تھا۔ وہ اس جگہ پہ کہاں رہتا ہے کچھ خبر نہ تھی۔۔۔ مجھ پہ اضطراب کا موسم طاری تھا۔ مایوسی کے سیاہ بادل مجھ پہ چھا گئے۔۔۔ بے جان بدن گاڑی کی ٹیک لگا کر دُور تک خالی آنکھوں سے اُسے تلاش کرتی رہی۔ اونٹ تھے اور نہ وہ شہزادہ۔ بے چینی، بے قراری حد سے بڑھ گئی تھی۔

کہتے ہیں عشق سچا ہو تو رب بھی اہل عشق والوں کی مدد کرتا ہے۔ دُور سے ریت اُڑتی نظر آئی۔۔۔ میرے بدن میں خوشی کی اِک برقی لہر دوڑ گئی۔۔۔ بے ساختہ ہی رب کا شکرانہ ادا کیا۔ وہ۔۔ وہ وہی تھا۔ میرا شہزادہ۔ میرے قلب و جاں کا مالک۔ مجھ سے انتظار نہ ہو سکا اور صحرا میں بنے رستے پہ میں گاڑی بھگاتی ہوئی۔۔۔ اُس کے پاس جا پہنچی۔ وہ دُور سے آتی گاڑی دیکھ کر سست رفتار ہو گیا۔۔۔ گاڑی اُس کے پاس جا کر روک لی۔۔۔ مجھے دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ آپ یہاں۔۔۔۔؟۔۔ اکیلی۔۔۔۔۔؟ اُس کی حیرانگی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔۔۔ میں مسکرائی۔۔۔۔

ہاں میں اکیلی ۔۔مگر اب نہیں۔۔۔۔ کیونکہ تم میرے ساتھ ہو۔۔۔ میں نے اُس سے اونٹ کی سواری کی فرمائش کی۔۔۔ اُس نے مجھے اونٹ پر بٹھا لیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔۔۔ باتوں باتوں میں اُس سے میں نے اُس کے بارے میں سب پوچھ لیا۔۔۔ وہ درحقیقت بنجارا نہ تھا۔ باپ کے قتل کے بعد اُس کے خاندان نے اُس کی جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ وہ اپنی ماں کو لے کر یہاں آ گیا تھا۔ یہ اونٹ اُس کے والد کے تھے۔ وہ شوق سے اُنہیں پالا کرتے تھے۔۔ والد کی دُشمنی میں قتل ہونے کے بعد ابراہیم کی والدہ نے یہ دس اونٹ لے کر وہاں سے ہجرت کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ اب ایک جگہ سے دوسری جگہ لوگوں کا سامان پہنچا کر اپنی روزی روٹی کما رہا تھا۔۔ دولت کا نشہ ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ خونی رشتے داؤ پر لگ جاتے ہیں ۔۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔۔ دولت کے پجاریوں نے رشتوں کی دیوار گرا دی تھی۔ اب

بس دو افراد تھے جن کا گزر بسر اچھا گزر رہا تھا۔ اُس کے چچا اُس کے خون کے پیاسے تھے۔ اب یہاں بہت دُور آ کر وہ محفوظ تھے۔

میں نے اُس سے اپنے دِل کا حال کہہ دیا۔۔ وہ میرے دِل کی بات سُن کر حیران رہ گیا تھا۔ اب اکثر میں مہینے میں دو بار یہاں آیا کرتی تھی۔ میں نے ابراہیم کو موبائل لے کر دیا۔۔ ہم روز بہت سی باتیں کرتے، اپنے مستقبل کی باتیں، میں بے دھڑک اُس سے شیئر کرتی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ابراہیم بھی مجھ سے اظہار محبت کر چکا تھا۔۔مجھے اونٹ کی سواری میں مزہ آتا۔۔میں اُس کے اونٹ پر بیٹھ جاتی اور وہ ساتھ ساتھ چلتا رہتا۔۔۔ہم بہت سی باتیں کرتے تھے اور سیر ہوتی رہتی۔۔۔

وقت بہتی ندیا کی مانند بہتا رہا۔اور عشق کا پردہ اُٹھ گیا۔۔۔۔پھر مشہور کہاوت بھی ہے کہ عشق اور مُشک چھپائے نہیں چھپتے۔۔میرے بھائیوں نے مجھ پر شک کیا کہ میں ہر بار دو دن کے لئے کس کس کی شادی پہ جاتی ہوں۔ابو سے اُنہیں ڈانٹ پڑی۔۔مگر وہ دِل ہی دِل میں کچھ اور سوچ چکے تھے۔۔۔فی الحال تو وہ خاموشی سے اُٹھ کر چلے گئے۔ابو نے مجھے تسلی دی اور کہا۔''اُن کی باتوں کا بُرا نہ منایا کر، جھلے ہیں دونوں۔۔''

کچھ دِنوں بعد پھر میں نے ابراہیم کو ملنے جانا تھا۔میرے بہانوں کا سلسلہ اب بڑھتا جا رہا تھا۔میں ابو سے اجازت لے کر نکلی۔مجھے خبر نہ ہوئی مگر کوئی میرا پیچھا کر رہا تھا۔۔۔اور یہ کام میرے بھائیوں کے علاوہ کون کر سکتا تھا۔۔اُنہوں نے میرے پیچھے اپنے کارندے لگا دیئے۔۔۔وہ پل پل کی خبر میرے بھائیوں تک پہنچاتے رہے۔جہاں میں اور ابراہیم ملتے تھے۔وہ کچھ دُور سے ہی میرے تعاقب میں رہتے۔۔۔اُن کی نظریں مجھ پر تھیں۔

ابراہیم نے مجھے اونٹ پر بیٹھایا اور ہم صحرا کی سیر کرنے لگے۔۔۔ہمیں معلوم نہ تھا کہ کوئی ہمیں فالو کر رہا ہے۔بھائیوں کے آدمیوں نے میری اونٹ پر بیٹھی کی تصویریں لے لی۔دو دن بعد جب میں گھر پہنچی تو اک قیامت برپا تھی۔

میں نے اپنے ابو کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔بھائیوں نے مجھ پہ تشدد بھی کیا۔۔میری تصویریں امی اور ابو کو دِکھا چکے تھے۔جس میں ابراہیم بھی واضع نظر آ رہا تھا۔۔۔پوچھنے پر میں نے ابو کو سچ بتا دیا۔۔۔کہ میں اُس سے پیار کرتی ہوں اور اُسی سے شادی کروں گی۔۔۔اِس بات پر بھائیوں کے ساتھ ساتھ ابو بھی بھڑک اُٹھے۔کافی ڈانٹ اور مار کھا کر مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔۔۔موبائل بھی لے لیا تھا۔۔۔صرف ایک نوکرانی ہی مجھ سے مل سکتی تھی۔جس کی ڈیوٹی مجھے کھانا دینے تک محدود تھی۔باقی گھر والوں نے مجھ سے ناتا توڑ رکھا تھا۔۔نازوں پلی نازک حالات میں تھی۔۔

بھائیوں نے ابراہیم کا پتا لگا لیا۔۔وہ اُسے ایک بنجارا سمجھتے رہے۔مسئلہ ذات پات کا آ رہا تھا۔ہم پٹھان اور وہ ایک بنجارا تھا۔۔۔حقیقت تو صرف میں ہی جانتی تھی۔میرا دَم گھٹنے لگا تھا۔سارا دن ایک ہی کمرے میں بند رہنے سے کوفت ہوتی۔۔۔ایک ٹی وی کا ہی آسرا تھا۔بس سارا دن کبھی کوئی چینل دیکھتی تو کبھی کوئی۔۔۔۔

اسکرین پر آنے والی تصویر ابراہیم کی تھی اور پٹی میں لکھا آ رہا تھا۔''ایک بنجارے کا بے رحمی سے تشدد کے بعد اغواء، پولیس تفتیش کر رہی ہے۔''

مجھے فوراً اپنے بھائیوں کا خیال آیا۔۔۔اُنہوں نے ابراہیم کو اغواء کروایا تھا۔۔۔میں نے غصے میں آ کر کمرے میں پڑے کچھ شوپیس توڑ ڈالے۔۔بہت روئی مگر میری آہ و پکار سننے والا کوئی نہ تھا۔۔۔جانے ابراہیم کے ساتھ میرے بھائیوں نے کیا سلوک کیا ہوگا۔۔۔اک ڈر میرے دِل میں بیٹھ چکا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

۔لہجہ غمگین ہوگیا۔ میں نے اُس کے آنسو صاف کیے اور اُس کو تسلی دی۔

دیکھو! تانیہ! یہ زمانہ بہت ظالم ہے۔ عشق ذات پات، رنگ دھنگ نہیں دیکھتا مگر یہ زمانہ تو اپنی اَنا کو سر پہ چڑھا کر رکھتا ہے۔ ہر کوئی اپنی ناک ہی اونچی رکھنا چاہتا ہے۔ تم نے بتایا وہ بٹ تھا۔۔ ابراہیم بٹ۔۔ اگر میں تمھیں اُس سے ملوادوں تو تم خوش ہو جاؤں گی ناں۔۔۔ اور تمھاری یہ کٹھن زندگی سہل ہو جائے گی۔۔

وہ میری بات پہ حیران ہوئی اور مچل اُٹھی۔ ایسے جیسے کوئی چھوٹا بچہ روکر اپنی من پسند چیز پانے کے لئے تڑپتا ہے۔ میں نے تانیہ کو یقین دِلایا اور اُس سے ابراہیم کی تصویر مانگی۔ اُس کے پاس تصویر تو نہ تھی مگر اُس نے جواب بہت اچھا دیا۔ کہنے لگی۔

''محبوب تو دِل میں بستے ہیں، تصاویر نہ بھی ہوں تو اُن کا چہرہ ہر وقت نگاہوں میں رہتا ہے۔''

اُس کی بات نے مجھے لاجواب کر دیا تھا۔۔

ابراہیم بٹ کا تعلق کشمیر سے تھا اور وہ میرا اچھا دوست تھا۔ جب سے اُس کے والد کا قتل ہوا تھا، مجھ سے رابطہ نہیں ہوا تھا۔۔۔ میں کبھی کبھی اُسے بہت یاد کیا کرتا تھا۔۔۔ اب خیال آیا کہ شاید اُس کی تصویر میری Friends photo Album میں ہو۔ یہ خیال آتے ہی میں نے موبائل نکالا اور Album چیک کرنے لگا۔ کرم ایسا ہوا کہ اُس کے تصویر میرے پاس موبائل میں موجود تھی۔۔ میں نے وہ تصویر تانیہ کو دِکھائی۔۔ وہ چونک اُٹھی۔

''ہاں یہی ہے میرا شہزادہ''

''آپ کیسے جانتے ہیں اِسے؟ وہ بے چینی میں پوچھنے لگی۔ اب تو ابراہیم کو ڈھونڈنا اور بھی ضروری ہو چکا تھا۔ دو دیوانے مل جاتے تو، مجھے بھی قرار آتا۔''

ابراہیم بچپن میں کہا کرتا تھا۔ ''مجھے اُس پری سے پیار ہوگا جس کی آنکھیں نیلی اور جھیل سی گہری ہوں گی۔ اُس کی زُلفیں گھنی اور لبوں پر اک مسکراہٹ اور معصومیت ٹھہری ہوگی۔'' آج اس کی کہی بات مجھے بے حد یاد آئی۔ سچ میں اُس وقت قبولیت کا وقت تھا۔ ابراہیم کو چاہنے والی تانیہ بالکل اُس کے خوابوں کی شہزادی جیسی ہی تھی۔ اب ابراہیم کو ڈھونڈنا لازمی ہو گیا تھا۔۔۔ مگر کیسے تلاش کیا جائے۔؟ میں گہری سوچوں کی وادی میں غوطہ زن ہو گیا۔ تانیہ مجھے تکے جا رہی تھی۔ جیسے وہ میرے جواب کی منتظر ہو۔۔۔

ابراہیم، عمران اور میں بچپن سے کلاس فیلو رہے تھے۔۔ اب اک عمران ہی ایسا شخص تھا جو ابراہیم کا کھوج لگا سکتا تھا۔ میں نے عمران کو فون لگایا اور ابراہیم کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری سونپ دی۔۔۔ میں کچھ دن مزار پہ ہی رُک گیا۔۔۔ جب تک ابراہیم کا سُراغ نہ مل پایا، میں نے گھر واپس جانے کا پروگرام ترک کر دیا۔

عمران C.i.D آفیسر تھا۔ اُس نے ابراہیم کا سُراغ لگا ہی لیا۔ تین دن بعد عمران کی کال آئی اور اُس نے خوش خبری دی۔۔۔ ''ابراہیم مل گیا ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

ابراہیم کو لاہور میں پرانی حویلی کے اک کمرے میں بند کر دیا گیا لیکن قسمت اچھی تھی کہ وہ وہاں سے بھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور اپنی والدہ کو لے کر جانے کہاں چلا گیا۔

یہ خبر مجھے نوکرانی نے بتائی کہ بڑے صاحب آج بہت پریشان اور غصے میں لگ رہے تھے۔۔۔جس لڑکے کو قید کیا تھا وہ فرار ہو گیا ہے۔وہ فرار کیسے ہوا،؟ یہ میں نہیں جانتی۔میں نے شکر ادا کیا کہ چلو میرے وحشی بھائیوں کے چنگل سے آزاد تو ہوا۔۔۔اِسی فکر میں اب میرے بھائی اور ابو گھر سے نکلے اور اپنے بندوں کے ساتھ ابراہیم کو ڈھونڈنے چلے گئے۔

موقع اچھا تھا۔میں نے نوکرانی سے کہہ کر پلان بنایا۔رات کو ہم دونوں وہاں سے فرار ہوئیں۔نوکرانی نے ہی مجھے میرا موبائل AT M کارڈز اور میرا پاسپورٹ لا کر دے دیا۔ہم دونوں نے کراچی جانا تھا۔۔میری اک سہیلی کراچی میں حبیب بینک میں مینجر تھی۔ہم اُس کے پاس چلی گئیں۔

سکینہ کا کوئی نہ تھا۔وہ کافی عرصے سے ہمارے گھر میں کام کرتی اور یہیں رہا کرتی تھی۔۔۔اپنی سہیلی سے کہہ کر، میں نے سکینہ کو کراچی میں کام دِلوا دیا۔۔بعد میں میری سہیلی نے اُسے اپنے ہاں رکھ لیا۔۔عینی کا شوہر بہت اچھے اِنسان تھے۔اُس نے معلوم کیا کہ اب ابراہیم کہاں ہے۔؟ یہ تو معلوم نہ ہو سکا مگر یہ بات معلوم ہو گئی کہ وہ اپنی ماں سمیت غائب ہو چکا ہے۔اس کے گھر گیا۔گھر کیا تھا اک جھونپڑی ہی تھی۔۔ابراہیم کے گھر کا پتا میں نے بتایا تھا۔۔۔یہ خبر پا کر میں پُرسکون سی ہو گئی لیکن دل میں کسک سی تھی۔کاش میں ابراہیم سے مل سکوں۔

ہمیں یہاں بھی خطرہ تھا۔خاص طور پر مجھے زیادہ خطرہ تھا۔سکینہ تو گھر میں رہا کرتی تھی۔میں گھر سے باہر نکلتی تھی۔کبھی عینی کے ساتھ بینک چلی جاتی اور کبھی بازار۔

ایک دن عینی نے میری یہ مشکل بھی آسان کر دی۔میری خالہ انڈیا میں رہتی ہے تم وہاں چلی جاؤ۔۔۔عینی نے کہا۔۔۔سلیمان بھائی (عینی کا شوہر) نے کاغذائی کاروائی مکمل کروائی اور میں انڈیا روانہ ہو گئی۔۔۔جتنے دن یہاں رہی ابراہیم کی تلاش جاری رکھی۔ابراہیم کا نمبر بند جا رہا تھا۔۔عینی کی خالہ نے شروع شروع میں تو مجھے اپنی بیٹیوں جیسا ہی سمجھا اور پیار دیا۔

مجھے کھانا پکانا نہیں آتا تھا۔۔یہاں تک کہ کچن کے سب کام میرے لیے نئے تھے۔۔۔باقی کاموں میں خالہ کا ہاتھ بٹاتی تھی۔پھر جانے کیا ہوا خالہ کا رویہ مجھ سے بدلنے لگا۔عینی نے بھی مجھ سے رابطہ ختم کر لیا۔۔اُس کی خالہ نے پتا نہیں اُسے میرے بارے میں کیا بتایا تھا۔جب خالہ کا رویہ وحشیانہ ہو گیا تو میں اُن کا گھر چھوڑ کر یہاں اجمیر شریف آ گئی اور اب تین سال سے یہیں اس مزار پہ رہتی ہوں۔ابراہیم اور والدین کی یاد بہت ستاتی ہے تو جی بھر کے رو لیتی ہوں۔۔اِس کے علاوہ بس اب صرف اور صرف رب کو ہی یاد کرتی ہوں۔اِس اُمید پہ زندہ ہوں کہ شاید وہ دن آئے کہ ابراہیم مجھے لینے آئے۔

☆☆☆☆

Downloaded from https://paksociety.com

اُس کے آنسو بہنے لگے وہ فیصل آباد کے اک گاؤں میں رہتا ہے اور اک زمیندار کے ہاں مزارعے کے طور پر کام کرتا ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ اُس کی ماں اِس جہاں سے پردہ کر چکی ہے۔ میں نے سب کچھ تانیہ کو بتایا تو وہ خوشی سے مچلنے لگی۔۔ اُس کی خوشی دیدنی تھی۔۔۔ اُس کو دیکھ کر میں حیران تھا۔۔۔۔ کیا عشق ایسا ہی ہوتا ہے۔؟ مجھے عشق کے رموز کا کیا پتا۔۔۔ شاید اس سچے اور پاک جذبے کو نہ سمجھ سکوں۔۔۔ کیونکہ مجھے آج تک پیار ہوا ہی نہ تھا۔۔ وہ اک لڑکی نے میرے سب جذبات، احساسات بیدار کر دیئے تھے۔۔۔

ایک طویل عرصے بعد آج پھر سے تانیہ کو دیکھ کر مجھے اپنا عشق یاد آیا گیا تھا۔ جسے بڑی مشکل سے بھلایا تھا۔۔۔ اور بس یہی کہہ کر دل کو سمجھایا تھا کہ مجھے عشق ہوا ہی نہیں تھا۔

تانیہ کو لے کر میں انڈیا سے واپس پاکستان آ گیا۔ کاغذی کاروائی میں کچھ دیر ہوئی اور دسویں دن ہم پاکستان آ گئے۔ عمران کے ساتھ ہم فیصل آباد پہنچ کر مطلوبہ جگہ پہ پہنچ گئے۔ ابراہیم زمینوں پر بیٹھا دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا۔ ہم تینوں کو یوں اچانک دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔۔۔ اُس کے نوالہ اٹک ہی گیا تھا۔۔۔ اُس کی آنکھیں حیرات کدہ تھیں۔ محوِ حیرت چند لمحے ہمیں تکتا رہا۔۔ یقینی بے یقینی کی کیفیت میں اُس کی خوشی دیدنی تھی۔۔

آج دو سچے عاشقوں کا ملن ہو گیا تھا۔ آج زمین پر تو کیا اُفق پہ بسنے والی مخلوق بھی مسکرا رہی تھی۔ دونوں عاشقوں کو امبر تک رہا تھا اور رب کی رحمتوں کی برسات ہو رہی تھی۔۔ میں اور عمران بھی ابراہیم کو مل کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے دونوں کو ساتھ لیا اور گھر لوٹ آیا۔۔۔ دوبئ میں میرے بہت سے دوست رہتے تھے۔ میں نے ابراہیم اور تانیہ کا نکاح کروا کر اُنہیں دوبئ بھیج دیا۔ وہ دونوں میرے بہت مشکور تھے اور میں اپنے رب کا شکر گزار تھا کہ اُس نے مجھ سے وہ کام کروایا جو میری آخرت سنوارنے کا سبب بن جائے گا۔۔ سچا عشق رب کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ رحمتوں کی ہی برسات ہے کہ عشق زادوں کا ملن ہو جاتا ہے۔

میں بہت خوش تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے دو عاشقوں کو ملانے کا وسیلہ بنایا تھا۔۔ ابراہیم کو فیکٹری میں نوکری مل گئی اور وہ تانیہ کے ساتھ دوبئ کی فضاؤں میں ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جب کبھی مجھ سے رابطہ ہوتا ہے تو اچھے لفظوں میں یاد کرتے ہیں اور اپنا محسن مانتے ہیں۔۔۔

دونوں عشق زادے تو مل گئے لیکن میرے ماضی کو ایک بار پھر سے تازہ کر گئے جسے بُھلانے میں شاید صدیاں لگیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

ڈر

محمد خالد شاہان لوہار۔صادق آباد
0334.7284018

شاہین ڈائجسٹ کے قارئین کرام کے لیے خوف ودہشت کے لبادے میں لپٹی ایک خصوصی کاوش

رات بڑی گہری اور تاریک تھی۔رفتہ رفتہ گزر رہی تھی اور کہی سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد چوکیدار جاگتے رہو جاگتے رہو کی آواز سنائی دے رہی تھی۔کہیں کہیں سے بادل کا آوار ٹکڑ آتا اور دھیمی رفتار سے گزرتا چلا جاتا۔اتنے میں کمرے میں گونجے والی شاہین کی چیخ اس قدر دہشت ناک تھی کہ اگر کوئی سن لیتا تو ایک لمحے کے لیے اپنے دوڑنے والی برق کے جھٹکے سے گر ہی جاتا۔

شاہین کی آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھی،وہ بستر پر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔اس کے جسم پر کپکپی طاری تھی۔اچانک اس کی نگاہ اپنے پاؤں کے انگوٹھوں پر پڑی جو خون سے بری طرح تر تھے۔خون کی پتلی سے دھارا پیروں کے تلووں سے ہوتی ہوئی بستر کی چادر اور گدے میں جذب ہو رہی تھی۔کمرے میں صرف نائب بلب کی مدہم روشنی تھی۔اتنی مدہم کہ پیروں سے بہنے والے خون کی رنگت سرخ کی بجائے سیاہ لگ رہی تھی۔

اس وقت اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دل اس کے سینے کی بجائے کنپٹیوں میں دھڑک رہا ہو،اس نے اپنی حواس پر قابو پانے کی کوشش کی اور کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوگئی اچانک اسے کھنکھناتی ہوئی ہنسی کی آواز سنائی دی۔عام حالات میں شاید اس قدر مسحور کن ہنسی کی آواز اسے بے اختیار اپنی طرف متوجہ کر لیتی یا شاید وہ اس جن کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتی۔

مگر اس وقت وہ خوف اور حیرانگی کی ملی جلی کیفیات میں مبتلا تھی۔اس نے خوف زدہ ہو کر آواز کی سمت نظر دوڑائی مگر کیا؟ وہاں تو صرف ایک دیوار تھی۔اس کے اپنے کمرے کی دیوار جس پر سایہ تھا اس پر بسنے والا کا جس نے اس کی زندگی کو ایک عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔

ہنسی کی آواز بدستور جاری تھی۔اور اسی سائے سے آ رہی تھی اس دشمن جاں کا سایہ آہستہ آہستہ دیوار پر پھیل رہا تھا۔شاہین کی نگاہ بھی اس کے تعاقب میں تھی۔اچانک وہ سایہ کھڑکی کے راستے باہر نکلا اور پھر غائب ہو گیا۔شاہین نڈھال ہو کر بستر پر گر گی۔اپنے اعصاب پر قابو پانے کے لیے اس نے لمبے لمبے سانس لینا شروع کیے۔اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے مگر یہ آنسو بزدلی کے نہیں تھے بلکہ اس کی بے بسی کے تھے کیوں کہ اس کا مدمقابل کوئی انسان نہیں بلکہ آپ ایک ایسی مخلوق تھی۔جو صنف نازک ہو کر بھی اسے دکھوں کے چرکے سے لگا رہی تھی۔وہ ایک سایہ تھا جسے قید کرنا ناممکن تھا جسے چوٹ لگانا محض ایک آرزو تھی جو کبھی پوری نظر نہ آ رہی تھی۔اس نامعلوم بلا سے پیچھا چھڑانا اسکے بس میں نہ تھا۔وہ کون تھا کیا چاہتے تھا؟ یہ سب اسے معلوم نہ تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

اسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑا ہے۔ وہ یہ سب جاننے کی خواہش بھی نہیں رکھتی تھی۔ اس کی خواہش تھی تو فقط اتنی کہ اس سے پیچھا چھٹ جائے۔ وہ بستر پر چت لیٹا چھت کو گھورے جا رہا تھا پچھلے ایک ہفتہ سے ہونے والے عجیب وغریب واقعات کی فلم اس کے دماغ میں چل رہی تھی۔

ابھی ایک ہفتہ قبل ہی تو اس نے اس سحر آفریں کو خواب میں دیکھا تھا وہ اسے اپنی جانب توجہ کرنے کے لیے کوشاں تھا مگر وہ تھی کہ اس پر سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی گریزاں تھی آخر اس نے اپنا تذلیل کا بدلہ اس طرح لیا کہ اپنی انگلی کا رخ اس کی دائیں ٹانگ کی جانب کیا پھر ایسا لگا جیسے اس کی پنڈلی میں آگ لگ گئی ہو درد کی شدت سے اس کی آنکھ کھل گئی اسے اپنی ٹانگ سے شعلے نکلتے محسوس ہو رہے تھے۔ جب اس نے اپنی ٹانگ کی جانب دیکھا تو اسے حیرت کا ایسا جھٹکا لگا کہ اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ اس کے سوٹ کا دایاں پانچہ گھٹنے تک جل چکا تھا اور پھر اسے وہی سایہ اپنے کمرے کی دیوار پر منڈلاتا ہوا نظر آیا اس کے بعد سے اس منحوس سائے نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور آج ایسا پانچویں بار ہو رہا تھا ہر بار وہ ایک نئے انداز میں نمودار ہوتا اور شاہین کے لیے تکلیف کا ایسا ساماں کر جاتا جس کے بارے میں سوچا بھی نہی جا سکتا تھا۔

ماضی میں گزرے واقعات اور آنے والے خطرات نے اس کے دماغ میں عجیب وغریب جال بنا دیا تھا انہیں خیالوں میں نہ جانے کب وہ نیند کی خوشنما وادیوں میں جا پہنچی۔

اس کی آنکھ تب کھلی جب ٹیبل پر رکھی گھڑی نے زور زور سے چھ بجنے کا اعلان کرنا شروع کیا رات کے واقعہ نے اس کے دماغ کو ابھی تک ماؤف کر رکھا تھا۔

شاہان نے اتنا لکھنے کے بعد میں قلم بند کیا کاغذ سمیٹ کر ایک جانب رکھے اور آرام کی خاطر بستر پر دراز ہو گیا اور سوچا کہ شام چار بجے چائے پی کر حیدر صاحب کے گھر کی راہ لی جو ہمارے پڑوس میں رہتے تھے

یہاں میں آپ کو اپنے بارے میں بتاتا چلوں میرا نام شاہان ہے میں ایک ریٹائرڈ فوجی ہوں اور اس وقت اپنی عمر کے پچاسویں برس میں داخل ہو چکا ہوں میں ایک خوشحال زندگی بسر کر رہا ہوں میں کل کائنات دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے جبکہ شریک حیات مجھے حیات کی راہوں میں تنہا چھوڑ کر راہی عدم ہو چکی ہے اور گزشتہ دس برس سے میں زندگی کی خارزار میں تنہا گامزن سفر ہوں مجھے آج بھی اس نیک بخت کی کمی محسوس ہوتی ہے جو ہمیشہ میری راہوں سے خار چنتی رہی۔

اللہ کے فضل سے اولاد سعادت مند ہے بیٹی کی شادی ہو چکی ہے اور اس کی بھی ایک پیاری سی بیٹی ہے بیٹے بھی شادہ شدہ ہیں بہوویں اس قدر نیک اور فرمانبردار ہیں کہ کبھی بیٹی کی کمی محسوس نہیں ہوئی اگرچہ بیٹوں نے فوج کا شعبہ اختیار نہیں کیا لیکن مجھے اطمینان ہے کہ ان کا کاروبار مستحکم ہیں اور دونوں بھائی مل کر اسے چلا رہے ہیں۔

بڑے بیٹے کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے جو باترتیب دسویں اور آٹھویں جماعت میں پڑھتے ہیں چھوٹے بیٹے کا بس ایک بیٹا ہے جو نویں جماعت میں پڑھتا ہے اس لحاظ سے میں ایک خوش قسمت انسان ہوں اگر کوئی کمی ہے تو اپنی نیک بخت بیوی کی جس کی موت کو اللہ کی رضا لیے ناول لکھتا ہوں فوجی اور ناول نگاری اگرچہ عجیب لگتا ہے مگر شوق کہ آگے سب کچھ ممکن ہے اب تو مجھے ناول نگاری کے حوالے سے کافی شہرت بھی مل چکی ہے اور اکثر پڑھنے والوں کو تو میرے آئندہ ناول کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔

میرا شعبہ تحریر خوفناک اور مافوق الفطرت ناول لکھنا ہے اور یہی حوالہ میری شناخت ہے مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ میں ڈراؤنے ناول کیوں لکھتا ہوں شاید کوئی غیر مری قوت ہے جو مجھے لکھنے پر مجبور کرتی ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

یہ تھی میرے بارے میں چند خاص خاص باتیں خیر میں حیدر صاحب کے پاس گیا حسب روایت شطرنج کی بازی ہوئی حالات حاضرہ پر بحث ہوئی اور چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد میں ان سے رخصت ہوا اور گھر کی راہ لی حسب عادت کچھ وقت اپنے بچوں اور پوتے پوتیوں کے ساتھ گزار کر اپنے کمرے میں آیا اور ادھورا ناول مکمل کرنے بیٹھ گیا۔

☆.....☆.....☆

شاہین رات والے واقعے سے پہلے ہی بہت پریشان تھی اس پر ایک اور پریشانی اس کی منتظر تھی صائم جو اس کی کلاس فیلو ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی منگیتر اور محبت بھی تھا اس سے کئی بار اس کی پریشانی کا سبب پوچھ چکا تھا مگر شاہین تھی کہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے پا رہا تھی۔

اس وقت بھی شاہین اور صائم لائبریری میں بیٹھے ہوئے تھے جب ایک اور مصیبت آن پہنچی یہ مصیبت شاہد تھا جو یونیورسٹی کی سٹوڈنٹس یونین کا سرگرم رکن تھا۔ شاہین سے اسے خدا واسطے کا بیر تھا اس کی ان حرکتوں سے شاہین بھی عاجز آئی ہوتی تھی مگر وہ کمینے پن کا جواب شرافت سے دینے کا قائل تھا دو دن قبل انجم نے بدتمیزی کی انتہا کر دی تھی مگر شاہین نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور بات آگے بڑھنے نہ اس روز تو شاہد سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتا ہوا چلا گیا تھا مگر آج وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ اسی کی طرح کے دو غنڈہ نما سٹوڈنٹ تھے اس نے آتے ہی پینٹ میں اڑسہ ہوا ریوالور نکالا اور شاہین کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

شاہین خاموش تھی لیکن ان سے ڈر نہیں تھی شاہین بھی یونیورسٹی ویمن کراٹے ٹیم کی لیڈر تھی اس نے ایک نگاہ میز پر رکھی ریوالور پر ڈالی اور پھر غور سے شاہد کے چہرے کو دیکھا

شاہد اس کو حقارت آمیز لہجے میں شاہین سے مخاطب ہوا کیوں جی کچھ اثر ہوا میری باتوں کا شاہین نے کوئی جواب نہ دیا

شاہین کی خاموشی شاہد کو مزید اشتعال دلا رہی تھی اس نے مٹھیاں بھینچ لیں اور بولا تمہاری خاموشی میں ہی تمہاری بھلائی ہے یاد رکھ جس دن زبان چلانے کی کوشش کی اس دن تمہاری زبان کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گا یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی ہتھیلی کی طرف اشارہ کیا اور میز پر زور سے ہاتھ مار کر واپس چل دیا اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

شاہین واپس جاتے ہوئے ان تینوں کو گھور رہی تھی صائم نے پوچھا کیا بات ہے؟

شاہین خاموش رہی اور کہا صبر کرو۔

صبر کس بات کا صبر مگر مجھ سے نہیں ہوتا صبر اس وقت یہ بات کر رہے تھے اچانک صائم نے دیکھ شاہین خالی کرسی پر تھیں شاہین نے اس کرسی پر اسی سائے کو دیکھا کرسی سرکتا ہوا زمین پر اترا اور انتہائی جارحانہ انداز سے شاہد اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے لپکا۔ سائے کی رفتار اس کا معنی خیز جملہ اور شاہد کی طرف رخ تینوں اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ آج شاہد کی خیر نہیں۔

سایہ شاہد سے ٹکرایا بے ساختہ منہ سے چیخ شاہد اور وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا شاہد تیزی سے مزاعین اسی وقت سایہ اس پر گزر گیا مگر وہ محسوس نہ کر سکا شاہد ہر طرح سے محفوظ تھا۔

وہ حیرت سے شاہین کو دیکھ رہا تھا شاہد کیا لائبریری میں موجود ہر شخص شاہین کو حیرت سے دیکھ رہا تھا شاہین اپنی جگہ پر کھڑی کانپ رہی تھی اس کے جسم پسینے سے شرابور تھا اس کا وجود کی کپکپاہٹ واضح طور پر نظر آ رہی تھی کچھ دیر یہی حالت رہی آہستہ آہستہ شاہین کی حالت سنبھلی گئی اور وہ کرسی پر ڈھیر ہو گئی شاہد جانے کیا سوچ رہا تھا مسکرہٹ لیے واپس مڑا اور لائبریری سے نکل گیا۔

شاہین بے بسی سے سر پکڑے ہوئے تھی اس کے ساتھ پریشان حال صائم بیٹھا تھا جسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

س کے حسین چہرے پر پریشانی کے آثار اس کے حسن کو اور بھی زیادہ سحر انگیز کیے دے رہے تھے۔

صائم کا چہرہ اس کے لیے ایک ایسا سوالیہ نشان تھا جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا وہ انجانی سوچوں میں گم تھی۔

شاہد نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور کھلکھا کر ہنس دیا اس وقت وہ یونین آفس میں بر جمان تھے ان کی تعداد شاہد سمیت بیس کے لگ بھگ تھی شاہد باقی لڑکوں کو شامین کے بارے میں بتا رہا تھا کہ اچانک ایک انجانی مگر پر اسرار آواز سنائی دی اب تمہاری باری ہے چیخنے کی اور پھر واقعی شاہد کے منہ سے اس قدر زوردار چیخ نکلی کہ سب ہکا بکا رہ گئے۔

اس کے سامنے چند قدم کے فاصلے پر ایک خوفناک بلا کھڑی تھی وہ بلا کوئی اور نہیں بلکہ وہی جن تھا اس کا سیاہ لباس اس طرح لہرا رہا تھا جیسے تیز آندھی ہو اس کا رنگ گورا تھا مگر ہونٹ اور بعد سیاہ تھے سفید ہاتھوں پر نوکیلے سیاہ ناخن دہشت کا منہ بولتا ثبوت تھے اچانک اس نے منہ کھولا اور پھر دل ہلا دینے والا وہ منظر سامنے آیا جس نے شاہد کے ہوش اڑا دیے اس کے منہ سے نوکیلے دنت انمودار ہو رہے تے جو دیکھتے ہولٹوں کیے کناروں سے باہر آ گئے۔

اس خون آشام منظر کو دیکھ کر تو مضبوط دل کا انسان بھی ہوش سے بے بے کنہ ہو جاتا بچارہ شاہد کیا چیز تھا۔

شاہد ڈرتے ہوئے بولا کک کو کون۔۔کون ہو تم جواب ملنے سے پہلے ہی شاہد کے ساتھ حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگے آخر ایک پوچھ ہی بیٹھا یار کون ہے کسی سے بات کر رہے ہو تم شاہد نے اس کی طرف دیکھے بغیر انگلی سے اشارہ کیا۔

یہ لڑکا سیاہ لباس والا اس کی اٹھی ہوئی انگلی مسلسل کانپ رہی تھی۔

مگر یہاں تو کوئی نہیں اس کے دوستوں نے جواب دیا اس کی نگاہ ہوا ایک لمحہ کے لیے دوستوں کی جانب اٹھی چہرے سے اس کی طرف مڑ گئی صورت حال کافی حد تک اس پر عیاں ہو چکی تھی اگلے لمے منظر بدل چکا تھا اس نے ایک ہاتھ کمر سے لگایا اور پھر جھٹکے سے شاہد کی جانب سیدھا کیا۔

اسے ایک جھٹکا سا لگا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ ہوا میں اچھلتا ہوا میزوں کے پیچھے جا گرا۔اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی مرد نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا ہو شاہد میز رپ چت گرا ہوتھا اور اس کے دوست اس گرد جمع تھے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا ایسے میں ایک لڑکے نے شاہد کا بازو پکڑا کر بلانا چاہا بازو کا پکڑنا تھا کہ شاہد کو درد کا جھٹکا لگا اور اس کے ساتھ ہی اسے چھونے والا لڑکا اور جا گرا اور بے ہوش گیا۔

آفس میں بیٹھے سبھی لڑکے سہمے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے شاہد کی مدد تو دور کی بات اتنا حوصلہ بھی نہ تھا کہ کمرے سے باہر نکل جاتے خوف کے مارے ان کی زبانوں سے کلمے اور آیت الکرسی کا ورد جاری ہو گیا مگر وہ ایک نمبر کے بد کردار تھے اور اگر دل پاک نہ ہو تو زبان میں تاثیر کہاں سے آتی ان میں سے تو اکثر نہ پاک تھے تو پاک کلام ان کی مدد کیسے کرتی؟

شاہد میز پر چت گرا ہوا تھا اور وہ بلا بالکل اس کے اوپر ہوا میں مطلق تھا اس کی دہشت سے شاہد کو اپنا دل اپنی کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا بلا نے اپنے ہاتھ اس کے چہرے کی طرف کر کے واپس موڑا۔شاہد کی زبان منہ سے خود بخود باہر نکل پڑی اس کی لاکھ کوشش کے باوجود زبان منہ میں نہیں جا رہی تھی ہوا میں معلق بلا نے اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنا شروع کیا۔شاہد کے جبڑے خود بخود بھنچنے لگے یہاں تک کہ اس کے دانت اس کی جبڑے بھی مضبوطی سے ملتے گئے یہاں تک اس کی زبان کٹ کر مینے پڑ جا گری زبان سے بہنے والا خون گردن کے دائیں بائیں سے گرتا وہ میٹر پر اور پھر زمین پر جمع ہونے لگا۔

اس پر بھی اکتفا نہ ہوا اب انجم کی آنکھیں حلقوں سے باہر آ رہیں تھیں ایسا لگتا تھا جیسے کوئی زور سے اس کا گلا دبا رہا ہو اس نے اپنے ہاتھ اٹھانے کی کوشش کیمگر ایسا لگتا تھا جیسے کوئی زور سے اس کا گا دبا رہا ہو اس نے اپنے ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی مگر ایسا لگتا تھا جیسے اس کے ہاتھ میز سے چپک گئے ہوں اس لمحے بلا نے اپنا منہ کھولا ایک عجیب سی غراہٹ کی آواز سنائی دی۔

Downloaded from https://paksociety.com

پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دور سے دبایا شاہد کی آنکھوں میں اس کے نوکیلے دانتوں اور گول چمکتی آنکھوں کا عکس نظر آ رہا تھا شاہد کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھی جن میں اب اس کے دوستوں کے چیخیں بھی شامل ہوگئی تھی۔

شاہد کا دل شاید تشدد برداشت نہ کرسکتا تھا اس لیے اس لمحے حرکت کرنا بھول گیا اس کی دہشت سے کھلی آنکھیں بے نور ہو کر پتھرا گیں اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی اس کے چار ساتھی اس خوفناک منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے دھڑام دھڑام گرے اور بے ہوش ہوگے جو ہوش میں تھے سر پر پیر رکھ کر بھاگے اسی لمحے بلا کا خوفناک قہقہ بلند ہوا۔

اگلے لمحے اس کی شکل بدل چکی تھی وہ سنہرا لباس زیب تن کیے ہوئے ایک جن کے روپ میں تھا اس کا متناسب بدن بجلیوں کا خرمن معلوم ہوتا تھا۔

مگر اس کا چہرہ دیکھنے والا وہاں کون تھا۔ اک لاش جو بدصورتی کی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور چار بے ہوش افراد جن کے ہوش میں انے کا کوئی امکان نہ تھا وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔

میں حسن ہو آنکھوں کو روشنی بخشنے والا۔ دل پر بجلی گرا دینے میں طویل سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ قلم بند کیا اور نامکمل ناول کے اوراق اکھٹے کیے رات کافی بیت چکی تھی چنانچہ میں نے لائٹ آف کی اور سونے کی نیت سے لیٹ گیا۔

☆.....☆.....☆

کسی قوم کی ترقی کی رفتار جانچنے کے لیے ضروری ہے کہ اس قوم کے نوجوانوں کی سرگرمیوں کا مطالعہ کیا جائے میں جب بھی اخبار پڑھتا، نوجوانوں کے بگڑے ہوئے اخلاق کا حال پڑھ کر میرا دل اندر ہی کڑھتا اپنے ناولوں کے ذریعے میں نے نوجوانوں کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔

آج صبح جب میں نے حسب معمول اخبار کا مطالعہ کیا تو ایک خبر نے مجھے چونکا دیا۔

یونیورسٹی کی طلبہ تنظیم کے اہم اور سرگرم رکن کی ہلاک کی خبر نمایاں تھی جس کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ مرنے والے کا نام شاہد تھا اور شک یہ تھا کہ مخالف تنظیم کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔

اس خبر نے صبح ہی صبح مجھے افسردہ کر دیا تھا میں اس خیال کو بھلانے کے لیے حیدر صاحب کی طرف چل دیا حیدر صاحب نے حیرت سے مجھے دیکھا اور خیریت دریافت کی میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

بس حیدر صاحب جی آجکل کی نوجواں نسل جس راہ پر چل نکلی ہے اس کی پریشانی نے جی متلا دیا ہے آج صبح کی خبر پڑھی آپ نے حیدر صاحب چونک کر بولے۔

''کیسی خبر کس کی خبر.....؟''

شاہد کی بات کر رہے ہیں ناں انکل آپ یہ آواز شامین کی تھی جو میرے عقبی جانب موجود دروازے سے کمرے میں داخل ہوتی اس کے پیچھے اس کا چھوٹا بھائی ندیم عباس تو اور صائم بھی موجود تھے۔

صائم حیدر صاحب کے ہمسائے میں رہتی تھی اس کے والد رانا نیامیت علی بہت نیک آدمی تھے انہیں کی خواہش پر شامین اور صائم کی شادی طے پائی تھی مگر موت کب انتظار کرتی ہے اور نیامت علی دل کے ایک ہی دورے میں جان دے بیٹھے۔

شامین اور صائم کو دیکھ کر میرے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مجھے ان بچوں س بہت محبت تھی دوسرے یہ کہ یہ میرے زہر تکمیل ناول کے مرکزی کردار تھے ناول کے کردار پر تراشے ہوئے یہی میری سوچ کا مرکز تھے مگر میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ میرے قلم کا لکھا ہوا ایک ایک لفظ ان کی زندگی پر گزر سکتا ہے یہی وجہ تھی کہ جب بھی میں انہیں دیکھتا تو بے اختیار میرے منہ سے ان کے لیے دعائیہ کلمات نکل جاتے خیر مین نے طارق کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہاں بیٹا میں اس اسی کی بات کر رہاں شامین نے افسردگی سے بولا جی انکل اس کے ساتھ بہت برا ہوا نہیں وہ اسے سلوک کا مستحق تھا یہ جملہ کمرے میں موجود کسی شخص نے نہ سنا ائے سوائے شامین کے اس نے آواز کسی سمت جھٹکے سے دیکھا اس کے منہ سے بے اختیار نکلا بکومت اس جملے پر سب لوگ حیرت سے اس کی جانب تکنے لگے مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔

''یہ تم کس سے مخاطب ہو.....؟''

کسی سے بھی نہیں وہ بولی وہ وہ شارق سے کہہ رہا تھا کمال ہے حیدر صاحب نے کہا ندیم عباس تو تمہاری دوسر جانب ہے ادھر کون ہے؟

میں نے شامین کے ماتھے پر پسینے کی بوندھے ابھرتے دیکھیں۔

ادھر صائم بھی کہہ رہا تھا آج کل انہیں جانے کیا ہو گیا ہے عجیب وغریب حرکیں کرنے لگی ہیں کیوں بھی حیدر صاحب گویا ہوئے یہ کہ سسلہ ہے طارق مصنوعی ہنسی ہنس کر بولی کچھ نہیں پاپا میں ویسے ہی یہ تو ایسے ہی پریشان ہو جاتا ہے۔

حیدر صاحب ہنس کر بولے دیکھے شاہان صاحب اب بچے بھی ہم سے مزاق کرنے لگے ہیں

وہ تین سلام کر کے باہر چل دیئے میں اور حیدر صاحب ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول ہو گئے کچھ دیر بعد میں نے واپسی کا قصد کیا مرزا صاحب ابھی شطرنج کھلینے کا ارادہ رکھتے تھے مگر میں شام کا وعدہ کر کے گھر لوٹ آیا شاہد ناول کا نامکمل مسودہ خود مجھے اپنی طرف بلا رہا تھا میں بے اختیار رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا اور خود کو قلم کے حوالے کر دیا۔

شاہد کی موت نے شامین کے اعصاب کو مزید بوجھ تلے دبا دیا تھا اس کی چڑچڑی طبیعت نے صائم کو بھی پریشان کر رہا تھا۔

ایک الجھن تھی جو خود بخو دوجود میں آ گئی تھی شامین کوئی کم حوصلہ یا بزدل لڑکی نہیں تھی مگر مد مقابل اس کے سامنے ہوتے ہوئے بھی سامنے نہ تھا اس کا دماغ کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا اب تو بات اس قدر بڑھ چکی تھی کہ ایک انسانی جان ضائع ہو چکی تھی اور تین چار جانیں زندگی اور موت کے درمیان معلق تھیں۔

شاہد کی موت اس قدر عجیب وغریب میں ہوئی کہ کوء دماغ میں یقین نہیں کر رہا تھا مگر یہ سچ تھا! اسکی ہلاکت ایسے قاتل کے ہاتھوں ہوئی جو نگاہوں کے سامنے ہو کر بھی پوشیدہ تھا دوسری طرف لاشوں کی سیاست کرنے والے شاہد کی موت مخالفین کے سر تھوپ رہے تھے۔

شامین کو حالات کسی بھی صورت میں بنتے نظر نہیں آ رہے تھے۔

سوچ رہا تھا کہ صائم کو سچ سچ دے تا کہ ایک الجھن تو کم ہو وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صائم اس سے کس قدر محبت کرتا ہے اور یہ سب جان کر اس کی پریشانی اور بھی بڑھ جائے گی۔

لیکن صائم کی موجودہ کفیت بھی تو اس کے لیے باعث اذیت تھی۔

شاید ساری صورت حال جان لینے کے بعد وہ کوئی مفید مشورہ ہی دے دے یا کم از کم اس کی ڈھارس تو بندھائے گی اس کے امید کے شامین نے سب کچھ صائم پر واضح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت وہ پائیں باغ میں اکیلا گھاس پر بیٹھا سوکھے تنکوں کو توڑ توڑ کر اپنی پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس کی انگلیوں کے بے ساختگی اس کے اندر کی بے چینی کی غماز تھی اسی لمحے وہی منحوس آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

جھلانے سے کو فاہدہ نہیں آخر تمہیں میرا ہونا ہی ہے شامین نے چونکتے ہوے پیچھے دیکھا تو وہی دشمن جاں حس کی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ نظر آیا۔شامین نے دیکھا تو بس! دیکھتا ہی رہ گیا۔ایک لمحہ کے لیے ایسے ایسا محسوس ہوا جیسے کائنات کا تمام حسن ایک بت میں سمٹ آیا ہو۔اس کی بدحواسی اس سر اپا حسن کے لیے راہیں ہموار کر رہی تھیں شامین نے محسوس کیا کہ شاید وہ ٹھیک کہہ رہی ہے اس کے جذبات اس جن پیکر کو قریب پا کر واقعی بے قابو ہو رہے تھے اسے یوں لگا جیسے اس کا دل اسکے قریب کی خواہش میں دیوانہ وار اس کی طرف بھاگ رہا ہو شاید اس کے قدم بھی دل کا ساتھ دے رہے تھے

Downloaded from https://paksociety.com

ایک طلسم تھا جو اسے حسین دشمن کی جانب لے جا رہا تھا۔شاید وہ بھی اس کی کیفیت کو سمجھ چکی تھی وہ چہکتے وہ ہوئے بولی میں نہیں سمجھتی کہ تم اتنا حسین تحفہ ٹھکر ادو گے۔

میں تمہاری ہوں تمارے قریب شاید سانسوں سے بھی زیادہ قریب اور تم یوں بے اعتنائی برت رہے ہو کیا تم مجھے اپنا بناؤں اتنا کہہ کر اس نے اپنی خمار سے بوجھل پلکیں اٹھائیں۔

اس کی نگاہوں کا شامین سے ملنا تھا کہ شامین کے ہوش اڑ گئے وہ بے خودی کے عالم میں یاک معمول کی طرح اس طرح اس کی طرف بڑھتا جا رہا تھا شاید وہ بھی آج اسی ارادے سے کہ اپنا سب کچھ کھو کر اسے پالے گی شامین بھی شاید اس سحر انگیز حسن کی روشنی میں صائم کی پاکیزہ محبت کو نظر انداز کیے دے رہا تھا وہ اس جانب بڑھتا چلا گیا اس قدر کہ اس ہوش ربا کی سانسوں کی گرمی اسے اپنے چہرے پر محسوس ہونے لگے مگر شاید اس کے منزل ابھی بہت دور تھی شامین نے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا ہی تھا کہ عقب سے ندیم عباس تو کی سکوت توڑتی ہوئی آواز آئی۔

بھائی جان اور وہ بے اختیار رپیچھے کی جانب پلٹا جہاں ندیم عباس تو کھڑا اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

ندیم عباس تو کو دیکھتے ہی طارق نے واپس اس جگہ دیکھا جہاں شاید صائم سے اس کی محبت رسوا ہونے کے قریب تھا۔

اب وہاں کچھ نہ تھا صرف ایک سایہ تھا اور وہ جو شاید شامین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پا لینے والی تھی شارق نے اس کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا مگر اس کے پاس اگلے موقع کی تلاش کے سوا کوئی چارہ نہ تھا شامین نے ندیم عباس تو سے پکارنے کی وجہ پوچھی شارق بولا صائم بھائی آئیں ہیں وہ آپ کو بلا رہا ہے شامین طویل سانس لے کر اٹھا اور اندرونی حصے کی جانب مڑ گیا اچانک اسے اپنے عقب سے آواز سنائی دی کوئی بات نہیں پھر سی چلو تم نے مجھے قبول تو کیا اب تم میرے ہو اور میرے ہی رہو گی شامین نے خاموشی سے سنا اور پھر اندر چلا گیا وہ سایہ بھی دیوار پر سرکتا ہوا ایک سمت بڑھنے لگا شاید یہ بات تو اس سائے کو بھی معلوم نہ تھی کہ ندیم عباس تو بھی وہیں کھڑا ہے اور اسے دیوار سے سرکتے ہوئے دیکھ رہا ہے شارق نے ایک طویل سانس لی وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا اور پھر اندر کی جانب چلا گیا اس کے چہرے پر مکمل سکون تھا وہی سکون جو ہمیشہ سے اس کے چہرے پر موجزن رہتا تھا ندیم عباس تو کوئی معمولی بچہ نہیں تھا اس کے عمر لگ بھگ پندرہ سال تھی وہ عام بچوں سے کافی مختلف تھا اس کے پیدا ہونے سے قبل اس کی ماں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک بزرگ نے ایک بچہ اس کی گود میں دے کر فرمایا یہ بچہ ان کی طرف سے تحفہ ہے اور اس بچے کی تربیت اور پرورش وہ خود کریں گے پھر ایسا ہی ہوا ندیم عباس تو بچپن سے ہی عجیب وغریب عادات کا مالک تھا اسی لیے وہ سب سے الگ تھلگ رہتا تھا وہ عام بچوں کی طرح شریر بھی نہیں تھا اس کا رجحان اسلامی تعلیمات کی طر ف تھا دس سال کی عمر میں وہ حافظ قرآن ہو گیا اس کی گم گوئی کا یہ عالم تھا کہ کئی کئی روز زبان نہ کھولتا البتہ صائم سے اس کی خوب بنتی تھی تاہم دین امور رپ اس کی معلومات اس قدر وسیع تھیں کہ اچھے اچھوں کا کان کاٹتا حد تو یہ کہ بڑے بڑے عالم اس کے دلائل سن کر دنتوں تلے انگلیاں دبا لیتے یہ تھا ایک نیا کر دار جسے میں نے ناول میں متعارف کروایا۔

میں نے مسودہ سنبھال کر اپنی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور حیدر جی کے بیٹے شارق کے بارے میں سوچنے لگا میرے ناول کا ندیم عباس تو بھی بالکل حیدر جی کے شارق جیسا تھا فرق تھا تو صرف حالات وہ یہ کہ میرے ناول کے شامین اور شارق پر اسرا حالات سے گزر رہے تھے جبکہ حیدر جی کے شامین اوندیم عباس تو تو خوش وخرم زندگی بسر کر رہے تھے اور میں اس اطمینان پر خود ہی مسکرا دیا اور لائٹ آف کر کے بستر پر لیٹ گیا میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ میں ناول نہیں حیدر جی کے گھرانے کی تقدیر لکھ رہا ہوں

شامین نہ چاہتے ہوئے بھی صائم سے سب کچھ کہہ ڈالا صائم کا ردعمل اس کی امیدوں سے مختلف نہ تھا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے شامین اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہو مگر طارق کے چہرے کی سنجیدگی اور لہجے کی مضبوطی اسے اس بات پر مجبور کر رہی تھی کہ وہ ایک ایک لفظ سچ کہہ رہی ہے

Downloaded from https://paksociety.com

اگر چہ اس ترقی یافتہ دور میں یہ باتیں گھسے پٹے مذاق سے کچھ زیادہ نہ تھیں مگر آج یہ سب صائم کے سامنے حقیقت بن کر کھڑی تھیں صائم جذباتی حالت قابل دید تھی اس نے زندگی میں شامین کے سوا کسی کو نا چاہا تھا وہی تو تھا جو اس کی زندگی کا مرکز تھا اور اس کی زندگی ایک مخصوص مدار میں شامین کہ گرد گھوم رہی تھی مگر آج ایک طوفان تھا جو اس کی چاہت کی راہ میں حال ہونے کے لیے اس کی محبت کے حصار میں داخل ہونا چاہتا تھا یہ سوچ کر ہی اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے

شامین اس کی زندگی تھی مگر آج اسے اپنی زندگی کی جان خطرے میں نظر آ رہی تھی وہ دیر تک دنیا و مافیا سے بے خبر اس خوفناک عذاب سے نجات کی راہ تلاش کرتے رہے اچانک صائم کے دماغ کو زوردار جھٹکا لگا اور وہ اچھل پڑی اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ اس نے نجات کی راہ تلاش کر لی ہے

یونیورسٹی میں صائم اپنی ایک کلاس فیلو علی سے بہت زیادہ رقریب تھا ایک مرتبہ علی نے باتوں باتوں میں اسے بتایا کہ اس کے چچا فرہاد علی سفلی علوم کے ماہر ہیں ایک دو مرتبہ صائم کی ان سے ملاقات بھی ہوئی صائم کی معصوم صورت اور دل موہ لینے والی عادت نے انہیں اپنا گرویدہ کر لیا صائم ان سفلی علوم کی قائل نہ تھی مگر فرہاد علی نے اسے پیش کش کی کہ زندگی میں اگر اسے کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے تو وہ اس سے ضرور رابطہ کرے شاید وہ اسے عملی طور پر یقن دلانا چاہتے تھے اور آج صائم کو وہ موقع مل گیا تھا

ٹیلی فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی فرہاد علی آنکھیں ملتے ہوئے ٹیلی فون کی طرف بڑھے ریسیور کے دوسری جانب ایک انسوانی آواز نے انہیں چونکا دیا تھا ان کی زندگی میں نسوانی آوازوں کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر تھا لیکن یہ آواز ان کے لیے اجنبی نہ تھ

ہیلو مجھے فرہاد علی صاحب سے بات کرنی ہے

جی فرمایئے میں فرہاد علی بول رہا ہوں فرہاد علی نے بارعب آواز میں کہا انکل کیا آپ نے مجھے پہچانا میں صائم بول رہا ہوں صائم نے بے قرار سے بات مکمل کی

ہاں اچھا یاد آیا! تم علی کے کلاس فیلو (فرہاد علی پرسکون انداز میں بولے کہو آج انکل کی یاد کیسے آ گئی)

انکل۔۔یاد ہے ایک مرتبہ آپ نے کہا تھا کہ زندگی میں اگر کوئی مافوق الفطرت بات ہو تو مجھے ضرور بتانا صائم ایک سانس میں بولتا گیا

ہاں مگر کیا ہوا ہے؟ خدانخواستہ کوئی مصیبت تو نہیں آن پڑی فرہاد علی تشویش ناک لہجے میں بولے

جی انکل مصیبت سر پر کھڑی ہے آپ فوراً آ جائے یاد ہے آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا

ہاں۔۔مگر کچھ بتاؤ تو سہی آخر واقع کیا ہے فرہاد علی نے پھر استفسار کیا بس انکل آپ فوراً آ جائے باقی باتیں یہیں ہوں گی بس دیر مت کریں ہمارے پاس وقت نہیں۔صائم نے کہا اچھا سنو! تم حوصلہ رکھو میں ابھی نصف گھنٹے میں پہنچتا ہوں شامین نے ریسور کریڈ پر رکھا اگلے تیس منٹ اسے تیس سالوں پر محیط نظر آ رہے تھے

شامین خود بے چین تھا یہ جاننے کے لیے آخر صائم نے کیا راہ نکالی ہے مگر اس میں حوصلہ نہ تھا کہ صائم سے کچھ پوچھ سکے

صائم اور شامین مرکزی دروازے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے ان کے کان دروازے ک سمت لگے ہوئے تھے اچانک دور ازے پر دستک محسوس ہوئی شامین اور صائم تقریباً بھاگتے ہوئے دور ازے تک پہنچے دروازہ کھولتے ہی صائم کے چہرے اطمینان کی لہر دوڑ گی ء آنے والے فرہاد علی تھے جو ان دونوں کی پھرتی دیکھ کر مزید پریشان ہو گئے البتہ صائم کے چہرے سکون دگنا ہو گیا تھا

نشت گاہ میں فرہاد علی۔صائم اور شامین گزشتہ پندرہ روز سے ہونے والے حالات پر تفصیلی غور کر رہے تھے اچانک فرہاد علی بول اٹھے بچو! میں نے اگر چہ یہ سب شیطانی علوم چھوڑ دیے ہیں اور ہر روز اللہ سے اپنی غلط کاریوں پر گڑگڑا کر معافی مانگتا ہوں لیکن آپ لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے آخری بار اس علم کو استعمال کروں گا شاید اللہ مجھے آپ لوگوں کی مدد کے طفیل معاف رکدے پس تم ایک رات صبر کر لو کل شام سے پہلے میں تمہارے پاس موجود ہوں گا شامین اس بلا کی قوت کو دیکھ چکی تھی

Downloaded from https://paksociety.com

وہ یہ بھی جانتی تھی کہ فرہاد علی اسے بس میں نہیں کر پائیں گے لیکن صائم کے چہرے پر جھلکتا اطمینان اسے مایوسی کے اندھیرے سے نکالنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا

دونوں اپنی اپنی خواب گاہوں میں اگلے دن ہونے والے واقعات پر غور کر رہے تھے شامین کہ چہرے پر یہ خوف تھا کہ کل کے بعد وہ سایہ کہیں خون خرابے پر نہ اتر آئے جبکہ صائم کے دل میں امید کی شمع روشن تھی کہ کل کے بعد اس کی محبت کے چاند کو گرہن لگانے والا سایہ ہمیشہ کے لیے اندھیرے کی چادر میں چھپ جائے گا یہی سوچتے سوچتے نہ جانے وہ کب نیند کی وادیوں میں جا پہنچے

شام کو چار بج رہے تھے فرہاد علی شامین اور صائم لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے ماحول پر مکمل سکوت تھا۔فرہاد علی اپنے لائحہ عمل مرتب کر رہے تھے آنے والے خطرات سے کس طرح نمٹا جائے گا؟ مدمقابل کی طاقت کیا ہوگی یہ سب وہ سوالات تھے جن کا کسی کے پاس جواب نہ تھا لیکن وہ سب یہ خطرہ مول لینے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے

فرہاد علی نے پورے گھر کا جائزہ لیا اور گھر کا وہ کمرہ جو شامین کی خواب گاہ سے منسلک تھا اپنے عمل کے لیے پسند کر لیا

مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ تینوں مجوزہ کمرے میں موجود ہوئے فرہاد علی نے شامین اور صائم کو کمرے کے ایک کونے میں بیٹھے کا مشورہ دیا۔اور پھر عجیب وغریب راکھ کی پتلی سی لکیر ان کے گرد کھینچ دی اس کے ساتھ ساتھ دونوں کو اس بات سے آگاہ بھی کیا کہ حالات کچھ بھی ہوں وہ اس حصار سے باہر نہ نکلیں

اس کے بعد فرہاد علی نے کمرے کے مرکز میں اسی راکھ سے ایک دائرہ کینچا اور کچھ ضروری سامان اس دائرے میں رکھ کر خود دوزانوں ہو کر بیٹھ گئے شامین نے ان کی ہدایت کہ مطابق کمرے میں پہلے ہی ایک شمع روشن کر دی تھی کمرے کے گہرے اندھیرے میں موم بتی کی روشنی میں عجیب وغریب سائے تخلیق ہو رہے تھے

اچانک فرہاد علی نے منہ میں کچھ پڑھنا شروع کیا ان کے پڑھنے سے کمرے میں گھٹن کا احساس بڑھ رہا تھا ان کی آواز بلند ہونے ک ساتھ ساتھ کمرے میں گرمی اور گھٹن بھی بڑھتی گئی

اچانک کمرے میں ہوا کی سرسراہت سنائی دینے لگی آہستہ آہستہ اس آواز میں بلیوں کے رونے کی آواز بھی شامل ہوگئی شامین اور صائم کا دل سینے کی بجائے کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا

ہوا کی سرسراہت میں خوفناک چیخیں اور جانوروں کی آوازیں بھی شامل ہوتی گئیں یوں لگتا تھا جیسے بدروحیں نوحہ کناں ہوں

شامین اور صائم کہ اعصاب شل ہوتے جا رہے تھے ان کا جی چاہ رہا تھا کہ کہیں دور بھاگ جائیں مگر پاؤں ان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے

فرہاد علی صاحب اطمینان سے اپنے عمل میں مصروف تھے دنیا و مافیا سے بے خبر انہوں نے شامین اور صائم کو سختی سے منع کیا تھا کہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔یہ اور بات تھی کہ وہ دونوں اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بھی شاید زمین سے چپک گئے تھے

پھر اچانک چیخوں کا سلسلہ تھم گیا ہر طرف ایک سکوت چھا گیا بالکل ایسے جیسے طوفان سے پہلے سمندر پر سکون ہو جائے

یہ خاموشی بالکل پر سرار تھی ایسا لگتا تھا جیسے زمین و آسمان نجم و قمر کی گردش رک گئی ہو جیسے وقت کو کسی کا بے چینی سے انتظار ہو پھر وہ آ گئی جس کا انتظار تھا موم بیت کا شعلہ تھرتھرا رہا تھا موم بتی سے نکلنے والا دھواں ایک

مرغولے کی شکل اختیار کرتا گیا جیسے جیسے دھواں چھٹا اس سے وہی حسین چہرہ نمودار ہونے لگا جو دو دن قبل شامین کے ایمان کو ڈگمگا چکا تھا وہ مجسم حسن اپنی تمام تر دل آویزیوں اور رعنائیوں کے ساتھ آن موجود تھا

ایک لمحے کے لیے صائم احساس کمتری کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گئی شاید وہ بھی صائم کی سوچ پڑھ چکی تھی اس نے ایک نظر شامین کو دیکھا پھر صائم پر حقارت آمیز نظر ڈالتے ہوئے بولی

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

تم اے حقیر نادان

فرہادعلی ایک دم کھڑے ہوگئے وہ بولے تو خود کو کیا سمجھتا ہے کم ذات ابھی میں تجھے بتاتا ہوں کہ میں کیا کر سکتا ہوں دیکھتا ہوں تو کیسے اس کی زندگی سے کھیل رہے ہو

تو مجھ سے ہم کلام ہونے کی کوشش کر رہا ہے مگر انہیں میں تیری بات کا برا نہیں مناؤں گے مگر میں تجھے تیری اوقات ضروری ماد دلاؤں گئی تا کہ آئندہ کبھی کوئی شاہین کو بہکا نہ سکے وہ بہت اتراتی ہوئی گویا ہوئی

فرہادعلی کے عضلات کھچ گئے انہوں نے منہ میں کچھ بڑبڑایا اور ایک جھٹکے سے دونوں ہتھیلیوں کے جوڑ کر شمع کر جانب کر دیا ایسا کرنے کی دیر تھی کہ شمع سے آگ کی لٹیں ابھرنے لگیں اور اس بلا کہ خوبصورت جسم کو گھیرنے لگیں لیکن یہ کیا! اس کے چہرے پر تو سکون تھا مکمل سکون پھر وہ اسی ادا ے دلر ہو بے وقوف انسان تو کیا سمجھتا تھا کہ تو مجھے جلا دے گا شاید تو مجھ سے واقف نہیں میں نار جن ہوں نار جن میں تو خود نار ہوں اور تو مجھے جلانے چلا ہے میں جو خود شعلوں سے غسل کرتا ہوں تجھ جیسے کم ذات میرا تلوے چاٹتے ہیں تو مجھے جلانے چلا ہے اپنی آگ کا انجام دیکھ بد بخت اتنا کہہ کر نار جن نے ہاتھ سے چھت کیطرف اشارہ کیا اور پھر فرہادعلی کے عین سر پر خون کی بارش برسنے لگی

غلیظ خون فرہادعلی کے پورے جسم کو بھگو رہا تھا خون سے اٹھنے والی بدبو نے شاہین اور صائم کا سانس لینا محال کر دیا تھا خود فرہادعلی کا یہ عالم تھا جیسے ان پر تیزاب ڈالا جا رہا ہو اور ان کی ہڈیوں تک حرارت محسوس ہو رہی تھی

پھر آہستہ آہستہ شعلے سرد پڑنے لگے فرہادعلی کا جسم فالج زدہ ہونے لگا جن کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی وہ بولی تیرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تیرا اپان کا ی دھرا ہے اب ایک وار میرا ابھی دیکھ پھر نا جانے کیا ہوا؟ فرہادعلی پشت پر ایک سیاہ ہاتھ نمودار ہو جس نے اسے گردن سے پکڑ کر اہو میں بلند کیا اور پھر شمع پر پٹخ ڈالا فرہادعلی کا ماتھا شمع کے شعلے سے ٹکرایا اور شمع بجھ گیا اس کے ساتھ ہی وہیں چیخوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا

جن کھلکھلا رہا تھا پھر وہ اچانک صائم کی جانب مڑا اور بولا اس لڑکے جسے تو اپنا بنانا چاہتا ہے وہ میری ہے میری ہے میری رہی گی۔ اس کی آرزو دچھوڑ دے کہیں ایسا نہ ہو کہ تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے

اتنا کہہ کر جن شاہین کی جانب متوجہ ہوا اور بولا شاہین تم صرف میری ہو دنیا کے کسی عالم میں اتنی طاقت نہیں کہ مجھے زیر کر سکے صرف تم ہو جو مجھے زیر کر سکتے ہوں لیکن طاقت سے نہیں محبت سے

اور ہاں مجھ سے بچ نکلنے کا خیال دل سے نکال دو میں آسمان کی وسعتوں میں بھی تمہیں تلاش کرنے کی قوت رکھتا ہوں تم تک رسائی کے لیے مجھے زمان ومکان کا پابند ہونے کی ضرورت نہیں اتنا کہ کر نار جن کھڑکی کی جانب بڑھا آخری مرتبہ مڑ کر شاہین کی طرف دیکھا اور پھر فرہادعلی کی طرف اشارہ کر تے ہوئے بولا اسے دیکھ لو یہ ساری زندگی اپاہجوں کی طرح گزارے گا اس کے ختیار میں صرف زبان ہے باقی جسم گواشت کا ایک ڈھیر ہے یہ جب تک زندہ رہے گا لوگوں کو مجھ سے الجھنے سے منع کرتا رہے گا اور اس کا یہ حال سب تماری وجہ سے ہوا ہے مجھے امید ہے کہ اب تم کسی کی زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈالو گے پھر نار جن ہوا میں تحلیل ہو کر کمرے سے باہر نکل گئی

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا بمشکل بلب کے سوئچ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوا

کمرے میں عجیب دھینگا مشتی کا عالم تھا اب کمرے میں نار جن تھا نا فرہادعلی پر گرنے والا خون تھا بس فرہادعلی تھے جن کا تمام جسم اکڑا ہوا تھا یا وہ دائرہ تھا جس میں میں وہ اپنے آپ کو محفوظ خیال کر رہے تھے

شاہین اور صائم نے انہی بامشکل چارپائی پر لٹایا ان کی حالت عجیب تھی ان کا سارا جسم بے حرکت تھا

ان کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو تھے ادھر صائم کی وجہ سے فرہادعلی کی یہ حالت ہوئی فرہادعلی نے صائم کی اندرونی کفیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا

Downloaded from https://paksociety.com

بیٹا! اداس مت ہوا مجھے اپنی اس حالت کا قطعی افسوس نہیں افسوس تو یہ ہے کہ میں تمہیں مصیبت سے نجات نہ دلا سکا وہ واقعی طاقت میں میری سوچ سے بھی زیادہ ہے

شاہین جواب تک خاموش تھی تڑپ کر بولی

انکل آخر آپ کو صحیح حالت میں لانے کوئی تو طریقہ ہوگا فرہاد علی خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے

نہیں بیٹی یہ نارجن کا وار ہے اسے کوئی نہیں کاٹ سکتا ہاں نارجن ہی اسے واپس لے سکتا ہے مگر وہ ایسا کبھی نہیں کرے گے اب تو شاید بقیہ عمر چارپائی پر ہی گزرے

شاہین اور صائم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ندیم عباس تو کا مسکراتا چہرہ نظر آیا ۔اس نے بہن اور انکل کو سلام کیا پھر حالت کی نزاکت دیکھتے ہوئے بولا

کیا بات ہے بھابھی انکل کی طبیعت خراب ہے کیا

اس سوال کا جواب وہ دونوں کیا دیتے

شاہین نے مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے اسے کہا نہیں کوئی بات نہیں ذرا انکل کی طبیعت خراب ہوگئی ہے ابھی ٹھیک ہوجائے گی تم اپنا کام کرو

شارق نے ایک لمحہ کے لیے شاہین کی آنکھوں میں جھکا نکا اور پھر معنی خیز انداز میں بولا آپ کی آنکھو میں آنسو اچھا تو اب بھابھی دیور سے جھوٹ بھی بولنے لگی ہیں

پھر شارق فرہاد علی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا کیوں انکل کیا ہوا آپ کی طبیعت کو؟

فرہاد علی بولے کچھ نہیں بیٹا جسم میں کچھ اکڑاہٹ ہے

بہت برا ہو ندیم عباس تو چہک کر بولا آپ کی طبیت ٹھیک کرنا ہی پڑے گا

شارق کی اس معصومانہ ادا پر سبھی مسکرا اٹھے صائم جو کہ ندیم عباس تو سے حقیقتا بہت محبت کرتا تھے اسے شارق پر انتہا پیار پر آیا

شارق ایک دم اٹھا اور پتائی پر پڑے ہوئے جگ میں گلاس میں کچھ پڑھا اور پانی میں پھونک مار کر سارا پانی فرہاد علی صاحب کے جسم پر انڈیل دیا فرہاد علی کے جسم میں ایک جھرجھری سی پیدا ہوئی اور انہیں تمام جسم میں آگ سی لگی ہوئی محسوس ہوئی وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوئے اور پھر خود ہی حیران رہ گئے وہ اٹھ سکتے تھے انہوں نے اپنے ہاتھ پاؤں ہلا جلا کر دیکھے ان کے تمام بدن میں حرکت موجود تھی وہ ہر طرح سے حرکت کر سکتے تھے

انہوں نے حیرت سے شاہین اور صائم کو دیکھا پھر ان کی نگاہیں ندیم عباس تو پر جم گئیں جو سکون سے بیٹھا مسکرا رہا تھا اب بھی اس کی نگاہوں میں وہی ابدی سکون تھا جو اس کی سب سے بڑی خوبی تھی

شاہین صائم اور فرہاد علی بے چین تھے یہ جاننے کے لیے کہ طارق کے پاس کونسی قوت تھی؟ شارق ان کے چہرے پڑھ چکا تھا وہ ان سے پہلے ہی بول اٹھ کائنات کی ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اندھیرا روشنی پر غالب نہیں آ سکتا، روشنی بھی اندھیرے میں چھپ نہیں سکتی پس روشنی سے عشق کرو تمام کائنات کا نور تم میں کود بخود سمٹ آئے گا یہی زندگی ہے یہی بندگی ہے اور یہی عبدیت کا خلاصہ ہے اتنا کہہ کر وہ چپ چاپ کمرے سے نکل گیا پیچھے اس کے الفاظ کی باز گشت تھی جو شاہین، صائم اور فرہاد علی کے کانوں میں گونج رہی تھی

☆......☆......☆

اچھا خاصلہ لکھا جا چکا تھا چنانچہ میں کاغذ پیپٹ بستر پر تھوری دیر آرام کرنے لیٹ گیا اور پھر گھر کا سودا سلف خریدنے کے لیے بازار کی راہ لی

حیدر صاحب کے گھر اس روز کافی چہل پہل تھی ان کے بھائی اور اہل وعیال بلا اطلا آن دھمکے تھے گھر کے پرسکون ماحول میں ہنگامہ برپا ہوگیا تھا شاہین اور صائم اپنے ہم عمروں کے ساتھ گپ شپ میں الجھے ہوئے تھے بیگم حیدر بھی خواتین کے ساتھ مصروف احوال تھیں

Downloaded from https://paksociety.com

خودمراز صاحب اپنے بھائی کے سراور برادر نسبتی کے ساتھ سخن طراز تھے۔ ہوایوں کہ حیدر صاحب نے بہت عرصہ قبل انہیں صادق آباد آنے کی دعوت دی تھی مگر مصروفیات کی وجہ سے وہ لوگ آ نہ سکے اب جو آخری بار حیدر صاحب اسلام آباد گئے تو سب کی اچھی خاصی عزافزائی کر آئے جس کے نتیجے میں یہ پورا لشکر آن دھمکا تھا اور حیدر جی تھے کہ خوشی سے پھولے نہ سمارہے تھے وہ تو پہلے ہی مجلسی آدمی تھے اور اب تو ان کے یہاں مجلسیں ہی مجلسیں ہونی تھیں

حیدر صاحب کے مہمانوں میں ان کے بڑے بھائی کے سسر مولوی صاحب ان کے بیٹے اور حیدر صاحب کے بھائی کے بردار نسبتی قادر صاحب تھے اگر چہ وہ بہت زیادہ مذہبی آدمی نہ تھے مگر فرائض سے کبھی غفلت نہ برتتے تھے وہ محکمہ جنگلات میں اعلیٰ عہدے دار تھے اور ایک پورے جنگل کے انچارج ان کے ہمراہ ان کی بیگم اور دو بیٹاں امیر اور سحر تھیں دونوں ایم اے کی طالبات تھیں

ان کے علاوہ حیدر صاحب کی دونوں بھابیاں اور بچے بھی آئے ہوئے تھے تمام بچے جوان تھے حیدر جی کے بڑے بھائی علی حیدر کا ایک بیٹا اور دو بیٹاں تھیں بڑی بیٹی مہر تعلیم مکمل کر چکی تھی بیٹا فیصل ایم اے انگلش کر رہا تھا اور چھوٹی بیٹی کوثر بی اے میں پڑھ رہی تھیں

دوسرے بھائی ناصر حیدر کے بچوں میں بڑا بیٹا قمر اپنے والد کا کاروبار چلا رہا تھا اور چھوٹی بیٹی ثمینہ فائن آرٹس کی طالبہ تھی

حیدر جی کے گھر میں عید کا سامان تھا چونکہ مہمانوں کی آمد سے گھر بھی گیا تھا اس لیے صائم اپنی والدہ کی اجازت سے وہیں رکے ہوا تھا مولوی صاحب اور ان کے صاحب زادے خاصے دلچسپ آدمی تھے

خوب محفل جمی تھی مگر میں جلدی نکل آیا کیونکہ ایک تقریب کے سلسلہ میں مجھے تین چار روز کے لیے کراچی روانہ ہونا تھا

چند مباحثے اور شاید ایک کتاب کی تقریب رونمائی میں بھی شرکت کرنا تھی اس لیے میں جلد وہاں سے نکل کھڑا ہوا حیدر جی کے مہمان تو مہینہ بھر یہیں رہنے والے تھا چنانچہ تین چار ایام کے لیے رخصت لے کر واپس آ گیا ٹرین اسٹیشن سے نکل چکی تھی کچھ ہی دیر میں شہر کے ہنگامے کافی پیچھے رہ گئے منظر بدلتے جا رہے تھے میرا اندر کا مصنف ہر شئے میں اپنے ناول کا اگلا حصہ کھوج رہا تھا سفر کافی لمبا تھا کچھ دیر ادھر ادھر کا جائزہ لینے کے بعد میں اپارٹمنٹ کا دروازہ اچھی طرح بند کیا اور اپنے ناول کا مسودہ نکال کر بیٹھ گیا

چونکہ یہ ناول زندہ کردوروں پر مشتمل تھا اس لیے ناول والے حیدر جی کہ گھر بھی وہی مہمان پہنچا دے وجہ اصل حیدر جی کے گھر پر آئے ہوئے تھے

☆.....☆.....☆

شامین اور صائم مہمانوں میں مگن تھے ایسے میں وہ جن کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے مگر! نا جانے کیوں انہیں دھڑکا لگا ہوا تھا

صائم نے شارق سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر شارق کچھ بتانے پر آمادہ نہ تھا اس کے عجیب رویے نے صائم کو جھنجلا دیا تھا

سر شام ہی بیٹھک کچھا کچھ بھر گئی تھی ہر طرف سے باتوں اور قہقہوں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں نوجوانوں میں اس وقت ہدف تنقید ندیم عباس تو تھا سب مل ندیم عباس تو کو چڑا رہے تھے حیران تھے کہ آخر صائم نے ایسا کیا کر دیا کہ شارق ہر وقت اسکے پلو سے بندھا رہتا ہے کسی اور کے لیے تو وہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا

صائم خوشی سے پھولے نہیں رہا تھا جبکہ ندیم عباس تو کے چہرے پر وہی دھیمی سے مسکراہٹ رہتی جو اس کی انفرادیت تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ان سب کی باوجود صائم بار بار لرز اٹھتا نارجن کے خونی پنجے اسے چشم تصور سے خوفزدہ کر رہے تھے

شارق اس کی اندرونی کیفت سے باخبر تھا اس لیے وہ صائم کے قریب آیا اور بولا بس بھی اب بھول بھی جاؤ اس واقعے کو صائم ایک دم چونک اور بولا کون سی بات ندیم عباس تو کے سامنے نا جانے کیوں اسے بننا بھی نہیں آتا تھا۔

صائم نے ایک بار پھر پوچھا پیارے بھائیاب تو بتا دو تم نے کیا جادو کیا تھا مجھے یقین ہے کہ تم سب کچھ جانتے ہو مگر بتانا نہیں چاہ رہے۔ندیم عباس تو چہک کر بولا:

چلو اچھا سب معلوم ہے پھر بتاؤ کیا کرو گے میرا اس کے جواب پر صائم خاموش ہو گیا اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے بولا جاؤ میں تم سے بات نہیں کرتا

کیوں جو لگ گئی چپ ندیم عباس تو برجستہ بولا ایسے ہی موقعوں کیلیے کم علمی کو نعمت قرار دیا گیا ہے بھول جاؤ سب کچھ جو نہیں کر سکتے اس کے فکر میں ہلکان مت ہو بس اتنا یقن رکھو کہ جو شخص کچھ کر سکتا ہے وہ بے خبر نہیں اور جس ہاتھ میں سب کچھ ہے اس پر یقین کام رکھو اور یہ کہ مظلوم کی مدد زمہے اور ظالم کو دوام نہیں

بات میں دم تھا اور ہی صائم کے لیے سب کچھ تھا

سوچ کی اڑان تب تھی ہم تو نہیں بتاتے صائم نے شارق کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ندیم عباس تو نے لقمہ دیا آپ بھی جب پانے دیور سے کھٹ پٹ کریں گی تو ہم بھی نہ پوچھیں گے اس بات پر کئی جانب سے قہقہے پڑے

خالی صوفے سے اٹھنے والی قہقہے کی صدا نے صائم کو سٹپا دیا اسکا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا تھا صوفے پر وہی سایہ دراز تھا خوف سے صائم کی آنکھیں پھیل گئی تھی

گھبراؤ نہیں ایزی ہو جاؤ ندیم عباس تو نے پر اطمینان مگر دبی ہوتی آواز میں کہا اس مرتبہ جواب سائے نے دیا کیوں جی آپ خود کو پہلوان سمجھتے ہو؟ دونوں کی نگاہیں ایک دم خالی صوفے کی طرف اٹھیں

صائم کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا جبکہ ندیم عباس تو کے چہرے پر ابدی سکون تھا وہ اطمینان سے بولا

اس بارے میں آپ اپنی راے بیان کیجئے سایہ بولا یقیناً مجھے حیرت ہے جو تم نے کیا اسے دینا کا بڑے سے بڑا عامل بھی نہیں کر سکتا تھا مگر تم میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اتنا تو مجھے پتا ہے کہ میرا انجام تمہارے ہاتھ میں نہیں

غلط سمجھ ہو تم شارق تیز لہجے میں بولا صرف اتنا ٹھیک ہے کہ تمارا انجام فی الحال میرے ہاتھ میں نہیں مجھیہ اس الجھی ہوئی ڈور کا جیسے ہی سرا مل گیا سمجھو تم گیا؟ ہوں سائے نے ہنس کر کہا یہ ارادے ہیں مگر دیار کھنا میں تمہارے بہن کو حاصل کر کے رہوں گا اور تم پتہ بھی نہیں چلے گا کہ نارجن کب ندیم عباس تو کا دیوار بن گیا

بلی کو چھچڑوں کے خواب شارق ہنسا اور اس کی ہنسی کے جواب میں سائے سے بھی ہنسی آواز بلند ہوئی ہنسا کرو تم ہتے ہوئے اچھے لگتے ہو! تمہیں بھی اپنا سمجھتا ہوں آخر تم میرے ہونے والے سالا ہو میں تمیں چاہوں گا شرارت کرو گے تو سبق سکھادوں گا اگر نہیں کرو گے تو میں شرارت کرنے لگوں گا یہ حماقت مت کرنا ندیم عباس تو تنگ کر بولا مجھے ایسی عادت نہیں میں شرارت کرتا ہوں صرف اپنوں سے

رہا سبق سکھانے کا مسئلہ تو دنیا میں میری صرف ایک ہی بہن ہے

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

ایک بات اور دیار کھنا ندیم عباس تو تند تیز لہجے میں بولا اپنی شرارتوں کے ٹارے کو بند ہی رکھنا تم جسی خون آشام قاتلہ سے خیر کی امید تو اوبستہ نہیں کی جاسکتی مگر! یاد رکھنا میرے پاس تمہارے ہر وار کا منہ توڑ موجود ہے سنبھال کر پاؤں رکھنا بہت کٹھن ہے یہ ڈگر جی تو چاہتا ہے کہ سارا دن تمہاری مصنو م دھمکیاں سنتا رہوں مگر سوشیار اپنے دعویٰ کی آمائش کے لیے تیار رہنا ایسا نہ ہو کہ کوئی ایک آدھا مہمان کم ہو جائے اور تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ ہوشیار رہنا میں چلا؟

اتنا کہہ کر سایہ تیزی سے سرک گیا صائم کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا تھا ندیم عباس تو اسی اطمینان سے بیٹھا تھا اسے کوئی فرق نہ پڑا مگر نہیں فرق تو پڑ رہا تھا وہ اپنی آنکھیں بند کیے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا اس کے لبوں پر وہی ہمیشہ رہنے والا معصومانہ مسکراہٹ تھی شاید صائم کی آخری امید یہی مسکراہٹ تھی

اگر شامین اور صائم ایک دوسرے سے بہت قریب تھے لیکن اتنے مہمانوں کے درمیان ایک مشرقی روایت تھی جوان دونوں کو کترانے پر مجبور کر دیتی تھیں لیکن اس وقت صائم بے ساختہ ہی شامین کو کچن میں آنے کا اشارہ کر گیا موجود حالات شامین کے لیے مزید پریشانی کا باعث تھے

صائم کے حلق سے نکلنے والی چیخ کے ماحول کے سکوت کو ایک دم توڑ دیا شامین کی نگاہیں صائم کی کی نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے پھلوں کی ٹوکری پر جا ٹھہریں پھلوں کی ٹوکری میں رکھا ہوا چاقو خود بخود بلند ہونے لگا تھا اور پھر ایک سمت میں سیدھا چلنے لگا ایک مرتبہ پھر صائم کے حلق سے چیخ بلند ہونے لگی لیکن شامین کے مضبوط ہاتھ نے آواز کو منہ میں روک لیا تھا

چاقو سیدھا اس صوفے میں جا دھنسا تھا جہاں ندیم عباس تو بیٹھا ہوا تھا شاید نا کا نشانہ چوک گیا تھا

ندیم عباس تو کو سلامت دیکھ کر دونوں نے طویل سانس لی لیکن کھیل ابھی ختم نہ ہوا تھا بے فکر رہو! اسے کچھ نہیں ہوگا وہ مجھے بھی اتنا ہی پیا راہے جتنا تمہیں

کچن کی الماری پر نظر آنے والے سائے سے آواز ابھری

اف خدایا یہ ابھی یہیں منڈلا رہا ہے صائم کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا

صائم کی نگاہیں اسی صوفے پر مرکوز تھیں جہاں کچھ لمحے قبل چاقو دھنسا ہوا تھا ایک مرتبہ پھر چاقو صوفے کی پشت سے اکھڑ گیا صائم کی آنکھیں خوف سے پھیلنے لگیں لیکن اس مرتبہ چاقو کی سمت صائم اور شامین کی طرف تھی اور پھر چاقو تیزی کے ساتھ صائم اور شامین کے درمیان سے گزرتا ہوا سید ھا اس جگہ جا لگا جہاں سائے کا سینہ تھا ایک دولمہ بعد سائے سے آواز بلند ہوئی

تم جس کی اتنی فکر کرتے ہو ذرا اسی کی حرکت بھی دیکھ لو دونوں نے ایک دم ڈرائنگ روم کی طرف دیکھا جہاں شارق گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھ رہا تھا شاید اس کی نظر نارجن کی تھی دونوں کے چہروں پر آسودہ مسکراہٹ دوڑ گئی

شامین بولی ندیم عباس تو کا رویہ کچھ بدل نہیں گیا اب تو وہ مجھ سے بھی چہکنے لگا ہے ہاں صائم بولا اپنی گزنوں سے بھی معقول باتیں کر لیتا ہے اب خاموشی کا وہ پہلا معاملہ نہیں

انہیں ایسا نہیں ہے طارق نے تردید کی یہ کزنوں سے گفتگو والا معاملہ بھی تمہاری وجہ سے ہے اگر تم نہ ہوتیں تو شاید یہ اسے طرح آدم بیزار رہتا کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا چہکنا ہمیں بہلانے کے لیے ہو صائم فکر مند ہو کر بولا ہاں شامین گویا ہوا میرا بھی یہی خیال ہے چلو کافی دیر ہو گئی ہے سب لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔

Downloaded from https://paksociety.com

شامین چائے کی ترے لے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اس سے کچھ لمحے بعد صائم بھی ڈرائنگ روم کی طرف آ گیا

☆.....☆.....☆

ٹرین اب ایک بڑے سٹیشن پر رکی ہوئی تھی میں بھی بیٹھے بیٹھے تھک گیا تھا اور مزید لکھنے سے پہلے تھوڑا آرام کرنے کا سوچ رہا تھا ٹرین نے اس اسٹیشن پر تقریباً نصف گھنٹہ ٹھہرنا تھا چائے کی طلب بھی ڈس رہی تھی چنانچہ مین ٹرین سے اتر کر کسی ٹی سٹال کی تلاش شروع کر دی تو کہنا غلط ہوگا البتہ ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا جو ریلوے اسٹیشن کے اندر ہی بنا ہوا تھا میں ایک خالی میز تلاش کی اگر چہ یہ کام کافی مشکل تھا کیونکہ اس وقت مسافروں کی بہت چہل پہل تھی رات بھیگ چکی تھی سردی کی لہر بھی روروں پر تھی

چائے کا آرڈر دینے کے بعد مجھے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا کیونکہ مجھ سے پہلے ہی بہت سے چاہے کے آرڈر جاری ہو چکے تھے میں اپنی مصنفانہ عادت سے مجبور لوگوں کی مختلف انواع کی بحثوں میں محو تھا اتنے میں میرے برابر بیٹھے ہوئے شخص نے مجھے کہنی مار کر اس چائے کی طرف متوجہ کیا جو شاید اب ٹھنڈی ہو چکی تھی میں نے ان صاحب کا شکریہ ادا کیا اور چائے کی چسکیاں لینے لگا اگر چہ کہ یہ چائے اب ایک گھونٹ میں بھی پی جا سکتی تھی ابھی میرا تھکا ہوا ذہن مکمل طور پر بیدار بھی نہ ہو پایا تھا کہ ایک چھیتھڑوں میں ملبوس دیوانہ حال شخص میرے سامنے آن کھڑا ہوا جوتے سے بے نیاز پاؤں بے تر یتب مٹی سے آنے ہوئے بال اور داڑھی گلے میں درجنوں مالائیں اور بڑی بڑی انگوٹھیاں اس بات کی غمازی کر رہیں تھیں کہ یہ کسی مزار کا مجاور ہے

میرے لیے سب سے زیادہ حیرت کا سبب اس کا انگاروں جیسی سرخ آنکھیں تھیں جو شاید مدت سے جھپکیں نہیں تھیں

حیرت کا دوسرا جھٹکا مجھے اس وقت لگا جب وہ میرے سامنے سختی سے کھڑا ہو کر تکنے لگا شاہان تم ہو اجنبی نے برجستہ پوچھا ظاہر ہے میرا جواب ہاں کے سوا کیا ہو سکتا تھا جواباً اس نے میری اور ارد گرد کے لوگوں کی پرواہ کیے بغیر حکمہ انداز میں کہا

قلم نکالو اور ایک پتہ لکھو میں چونک گیا اور پوچھا آپ ہیں کون جناب اور اس پتے کا مقصد میرے سوال کا اسی تحکمانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے اس نے کہا

یہ پوچھنے کا نا تمہیں حق ہے اور نہ ہمیں بتانا منظور چپ چاپ پتہ لکھو ورنہ ہم چلے میں ذہنی طور پر الجھ گیا مگر پھر میں پتہ لکھنے کا فیصلہ کر لیا کہ دیکھیں تو معاملہ کیا ہے

چنانچہ میں نے جیب سے قلم اور ڈائری نکالی جو پتہ س رپ اسر اشخص نے مجھ لکھوایا ایک مرتبہ تو میں خود اس پر چونک اٹھا شاید یا حقیقتاً یہ پتہ کراچی کا ایک بہت پرانے قبرستان کا تھا پتہ لکھوانے کے بعد وہ شخص اتنی شان بے نیازی سے واپس مڑ گیا پھر ایک لمحے کے لیے اس نے مڑے کر دیکھا اور بورلا پرسوں دوپہر یہاں چلے آنا کسی کو تم سے ملنا ہے ہمارے پاس تو بس یہ پیغام تھا تمہارے لیے سو تمہیں دے دیا ملنا چاہیا تو مل لینا ورنہ ہمیں کیو بھاڑ میں جاؤ؟

مری ے ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگ حیرت سے اس کی سمت تک رہے تھے چند لمحوں کے بعد جب میرے اوسان بحال ہوئے تو میں نے اس کے پیچھے دوڑ لگا دی مگر اسے نہ ملنا تھا نہ ہی ملا کئی لوگوں سے پوچھا لیکن سب کے سر نفی میں ہل رہے تھے شاید وہ بھی پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا

انجن کی تیز سیٹی اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ ٹرین روانگی کیلیے تیار رہے میں بوجھل قدموں سے تیزی سے گاڑی کیطرف بڑھا سفر تھا کہ ختم ہونے کا نام نہ لے رہا تھا ساری رواوہی اجنبی خیالوں کا مرکز رہا خدا خدا کر کے کراچی اسٹیشن نظر آیا میرے مداحوں کی ایک کثیر تعداد اسٹیشن پر میرے استقبال کے لیے موجود تھی جلد ہی مجھے ہوٹل پہنچے دیا گیا جہاں تین چار روز کے لیے میری رہائش کا بندوبست کیا گیا تھا

Downloaded from https://paksociety.com

میرا خیال تھا کا مجھے ملنے والے میرا کافی سرکھائیں گے مگر میری توقع کے برخلاف انہوں نے مجھے ہوٹل چھوڑ کر رخصت ہونے کا قصد کیا اس وعدے کے ساتھ کہ کل انشاءاللہ ان سے ملاقات ہوگی

اٹھارہ گھنٹے کی طویل مسافت اور پھر اس عجیب وغیریب واقعہ نے میرے اعصاب شل کر دیئے تھے چنانچہ میں نے موقع غنیمت جانا اور بستر پر دراہو گیا رات کس طرح گزر گی پتہ ہی نہ چلا صبح جب آنکھ کھلی تو کافی دوپہر ہو چکی تھی میں نے غسل کیا اور تازہ دم ہو کر روم سروس سے ناشتا منگوایا اس کے بعد گھر کے لیے فون ڈائل کیا گھر میں بہو کر خیریت سے کراچی پہنچنے کی اطلاع دی

اتفاق سے صائم بھی وہاں موجو تھی میں نے اس سے بھی بات کی حیدر جی اور ان کے مہمانوں کا حال احوال پوچھا صائم کے مطابق حیدر صاحب مجھ پر بہت برہم تھے ان کے بھائی کے سسر برادر نسبتی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے میں نے دو دن بعد واپسی کا کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کیا

اس روز بعد از دوپہر ایک مجلس ادب میں شمولیت کی اسی رات ایک کتاب کی تقریب رونمائی دعوت بھی اٹینڈ کی بس اتنے سے کام کے لیے مجھے اتنا لمبا سفر کرنا پڑا تھا

اگلی صبح میں نے ہوٹل سے ٹیکسی لی میرا ارادہ بچوں اور بہو کیلیے خریدار کرنے کا تھا پھر مجھے وہ ملنگ نما شخص یاد آ گیا تجس نے مجھے ٹکسی کا رخ دیئے گئے پتہ پر موڑنے کے لیے مجبور کر دیا

اب میری منزل وہی قبرستان تھا

میرا دماغ آنے والے واقعات کے بارے سوچ رہا تھا سوچوں کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب ٹیکسی ڈرائیو نے مجھے چیختے ہوئے بتایا کہ میری منزل آ گئی ہے میں کھسیانا سا ہو کر ٹیکسی سے اترا کرایہ ادا کیا اور کھڑا ہو کر ٹیکسی کے اوجھل ہونے کا انتظار کرنے لگا

☆.....☆.....☆

قبرستان شہر سے کافی دور واقع تھا اس کے زنگ آلود دروزے کو کھولتے ہوئے اس طرح شور برپا ہوا تھا جیسے مردوں کی ہڈیاں چیخ رہی ہوں میں جونہی قبرستان میں داخل ہوا ایسا محسوس ہوا جیسے شکستہ قبریں میرے استقبال کے لیے کھل گئی ہیں خوف اور تجس مجھے قبرستان کے عین سوط میں لے گئے ایک مرتبہ مجھے اپنی حماقت پر ہنسی بھی آئی کہ ایک دیوانے کے کہنے پر میں یہاں چلا آیا میں نے ارادہ کیا کہ اگر اگلے دس منٹ تک کوئی نہ آیا تو میں واپس چلا جاؤں گا لیکن اگلے ہی لمحے مجھے اپنے عقب سے آواز آئی

شاہان آنے میں بہت دیر کر دی خون کی گردش مجھے اپنے جسم میں رکھتی ہوئی محسوس ہوئی بے ساختہ میری گردن اس جانب مڑ گئی جہاں سے آواز آئی اس سمت دیکھنا میرے لیے اس سے بھی بڑا جھٹکا تھا سفید لباس میں ملبوس چہرے پر لمبی گھنی ریش اور سر پر لمبی سفید زلفیں سرخ سفید چہرے پر بال اس قدر بکھرے ہوئے تھے کہ صرف انگاروں جیسی سرخ آنکھیں نظر آ رہی تھیں وہ شخصیت جس سے ملنے کے لیے بے قرار تھا لیکن اب میری حالت یہ تھی کہ خوف کے مارے نگاہیں اٹھانے کی بھی ہمت نہ تھی شاید میری حالت سے مقابل بھی واقف تھا چنانچہ خود ہی دوبارہ مخاطب ہوا

اس قدر تاخیر کر دی آنے میں محتاجی میں بھی نوابی کرتے ہو میں کچھ بھی سمجھ نہ پایا بس اتنا کہا جی میں سمجھا نہیں

میرے سوال کا جواب میری جانب دیکھے بغیر اس نے بے نیازانہ انداز میں دیا گیا کہ کائنات میں محض گنتی کی چیزیں ہیں جن کو کسی حد تک سمجھا جا سکا ہے ورنہ ہر چیز سمجھے جانے کے قابل ہے یہ اور بات ہے کہ کوئی اس قابل نہ ہو جو اسے سمجھ سکے اب تمہاری کیا حیثیت

Downloaded from https://paksociety.com

سنو تمہارے لیے سوال کرنے کا اختیار نہیں تمہیں صرف عمل کرنے کا حکم ہے یہ لو اور اسے گھر جا کر رکھ لینا جب دوبارہ سامنے آ جائے تو پہن لینا اگر ایسا کر دو گے تو بھلے میں رہو گے اگر نہیں کرو گے تو کسی کو اتنی فکر نہیں کہ مزید زحمت گوارہ کرے وہ پرا سرا تنا کہہ کر ایک انگوٹھی میرے ہاتھ میں تھما کر بولا جاؤ اب تمہارا مزید یہاں رکنا موزوں نہیں ایک لمحے کے لیے مجھے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا

ذرا حواس بحال ہوئے تو میں نے اجنبی کی تلاش شروع کی مگر پہلے اجنبی کی طرح یہ بھی دوبارہ نظر نہ آیا

میں بوجھل قدموں سے ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوا انگھوٹھی ابھی تک میری مٹھی میں بند تھی اعصاب اس قدر شل ہو چکے تھے کہ میں ایک دم بستر پر جا گرا حیرت اور بے یقینی کے مارے میں اپنے سر کو بری طرح جھنجھوڑ رہا میں جو کچھ اپنے کرداروں کے ساتھ کرتا آیا تھا آج حقیقی زندگی میں یہ سب کیفیتیں مجھ پر گزر رہی تھی آج پہلی بار مجھے ان ناولوں کے کرداروں کے بے بسی کا احساس حقیقت میں وہ رہا تھا میں کتنی دیر تک بے بسی کے عالم میں گزشتہ دنوں کے واقعات کا احاطہ کرتا رہا تھا چنانچہ میں نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کیلے لیے اپنا ادھورا ناول میز پر رکھا اور اپنی سوچ کو قلم کے حوالے کر دیا رات جیسے تیسے گزر گئی کوئی ناخوشگوار واقع پیش نہ آیا دن چڑھتے ہی سب سے پہلی بری خبر سننے کو ملی جس سے شاہین اور صائم کے حواس مطل ہو گئے ہو ایوں کہ شارق کسی جماعت کے ساتھ اجتماع میں شرکت کیلے روان ہو گیا ہے اور دو تین دن سے پہلے اس کی واپسی کا کوئی امکان نہ تھا دوسرے حالات میں تو شاید اس بات کا شاہین اور صائم پر زیادہ اثر نہ ہوتا مگر ایسے وقت میں جب دونوں کے تمام امیدیں شارق سے وابستہ تھیں ندیم عباس تو کا اچانک چلے جانا ان کے لیے بالکل ایسا تھا جیسے اندھیوں کی زد میں بے چھت مکان

شاہین اور صائم پائیں باغ میں سر جھکائے بیٹھے تھے اچانک صائم نے خاموشی کو توڑا اور گویا

شاہین اب کیا ہوگا؟

کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا سوچتا ہوں سب سے سچ سچ کہہ دوں مگر کوئی یقین کرے گا ہی نہیں شاہین نے الجھے ہوئے انداز میں جواب دیا صائم معلوم نہیں کس گناہ کی سزا کاٹ رہے ہیں ہم میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں اس جن کا منہ نوچ لوں

شاہین اس کی سادگی پر مسکرا اٹھی گھبراؤ نہیں انشاء اللہ سب بہتر ہو جائے گا ہم ساتھ تھے اور ساتھ رہیں گے کبھی نہیں شاہین کے پہلو سے منحوس آواز آئی گرچہ یہ آواز بہت شیریں تھی مگر ان لوگوں کے لیے اس سے بڑھ کر کریہہ آواز اور کوئی نہ تھی وہ کہہ رہا تھا تم اب کسی کے نہیں صرف میری ہو اور کسی کے نہیں اور نہ ہی کوئی اتنی طاقت رکھتا ہے جو تمہیں مجھ سے چھین لے اور سنو! اگر تم نے مجھ سے الگ ہونے یا کسی اور کے قریب جانے کی کوشش کی تو میرا صبر بے قابو ہو جائے گا تمہیں ہر طرف اپنوں کے ٹکڑے بکھرے نظر آئیں گے سمجھے بکو نہیں شاہین نے بھپر کر کہا کیوں ہمارا جینا حرام کر رکھا ہے تم نے مجھے نفرت ہے تم سے تمہاری صورت سے تمہاری باتوں سے میں کبھی بھی تمہاری نہ تھی اور شاید کبھی بھی تمہاری نہ ہو سکوں!

میری ایک ایک سانس صائم کی امانت ہے میری محبت صرف صائم کے لیے تھی ہے اور رہے گی سمجھ تم جاؤ تم سے جو ہو سکے کر لو تم شاہین کے مردہ وجود کو تو اپنی طاقت کے بل پر حاصل کر سکتا ہو مگر اس کی محبت اس کی روح کبھی تمہاری دسترس میں نہیں شاہین جذبات کی رو میں بہہ کر جانے کیا کچھ کہہ گی اور اسے احساس بھی نہ ہوا کہ اس نے کسی آفت کو سر پر مسلط کر لیا ہے اس کے مقابل ایک اسی آسیبی قوت تھی جس سے ٹکرانا سراسر حماقت تھی وہ کیا کر گزرنے والا ہے اگر شاہین کو ذرا سا بھی احساس ہوتا تو شاید کبھی بھی اس قدر جذباتی حرکت کا مرتکب نہ ہو بس شاہین اب بس کر دو تم نے میری محبت کی اس قدر تذلیل کی ہے کہ تمہیں لاکھ چاہنے کے باوجود میرے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو رہی نار جن کی جذبات سے بوجھل روندھی ہوئی آواز نے صائم اور شاہین کے دلوں میں خوف کا دریا موجزن کر دیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ رو رہا تھا سسک رہا تھا اس کی آہیں اس کے غیض وغضب کی خوب ترجمانی کر رہی تھیں پھر ہارے ہوئے جواری کی طرح وہ سایہ شامین کے پہلو سے اٹھا اور دیوار کی جانب بڑھنے لگا اس کے چلنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ ہر چیز کو جلانے کا مصمم ارادہ کر چکا ہو

شامین کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی وہ دیوانہ وار سائے کے پیچھے بھاگی اس سے پہلے کہ سایہ دیوار سے گزرتا شامین زور سے چلائی رک جاؤ سایہ ایک جھٹکے سے رکا۔ اور اس سے پہلے شامین کچھ کہتی سایہ خود ہی بولا اٹھا اب آخری موقع ہے تمہارے پاس! بہت بول لیتے ہو نا تم اب کر کے دکھانے کا وقت ہے جاؤ جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لاؤ آج رات میں پھر آؤں گا یا تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنا بنالوں گا ورنہ سب کچھ برباد کر دوں گا تم اگر میری نہیں تو کسی کی بھی نہیں ہو سکتی جاؤ تمہارے پاس آج شام تک مہلت ہے آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ میری طاقت کیا ہے آج کیا ہے میں محبت کہ ہا تھوں مجبور تھا! لیکن تم نے آج مجھے احساس دلا دیا کہ جو مانگنے نہ ملے اسے چھین لو یاد رکھنا آج میں تمہیں چھیننے آ رہا ہوں اور اگر تم نے پس وپیش کی تو تمہارے ہر عزیز کی لاش وہ گی میرے قدموں تلے جاؤ بلا لو کسی کو اگر بلا سکتے ہو نا رجن پیچھے سے وار نہیں کرتا جاؤ آج میں تمہارے ہر چاہنے والے کی سانسیں گننے والی ہوں آواز سے ظاہر ہونے والا عزم اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے کر گزرے گا اس کا زہریلا لہجہ اس کی وحشت و گرعونیت کی عکاسی کر رہا تھا شامین کے واسان خطا ہو چکے تھے سایہ تو اہوا کی تحلیل ہو چکا تھا مگر دھوپ کی تمازت میں بھی شامین کو اندھیرا نظر آ رہا تھا صائم اب اس کے کافی قریب آ چکا تھا شاید وہ سب کچھ سن چکا تھا پھر دونوں جانے کب تک بیٹھے سوچتے رہے پھر فیصلہ یہ ہوا کہ یہ بات سب سے کہہ دی جائے چاہے مزاق اڑے یا طنز ہو مگر انہیں یقین تھا کہ آخر سچائی خود کو منوا لے گی

شامین اور صائم تمام مہمانوں کے سامنے آج دن کو ہونے والا واقعہ سنا رہے تھے اس کے پہلے حالات کا خلاصہ انہوں نے مختصر بیان کر دیا تھا خوش قسمتی سے حیدر صاحب برادر نسبتی قادر صاحب ان باتوں پر نہ صرف یقین رکھتے تھے بلکہ جنگلی حیات کی نگہداشت کے دوران انہیں بہت سے ایسے واقع پیش آ چکے تھے جن پر شاید کوئی یقین نہیں کرتا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ موجودہ صورت حال سے نمٹنے کے لیے راہ نکالنا تھا اس کام میں بھی قادر صاحب پیش پیش تھے نوجوان مہمانوں میں قادر صاحب کی بیٹیاں امبر اور سحر بھی کافی حد تک ان باتوں پر یقین رکھتی تھیں جبکہ باقی نوجوانوں کے نزدیک یہ صرف ایک وہم بلکہ ایک بکواس تھی

شامین اور صائم کی باتوں میں سب سے بڑا وزن شاہد کی موت اور فرہاد علی کی خوفناک شکست تھی دونوں کے لہجوں کی سنجیدگی بھی ان کی سچائی کی غمازی کر رہی تھی۔ ان سب کے باوجود یہ سب کچھ کم از کم نوجوان مہمانوں کے لیے بعید از عقل تھا ایک طرف صائم اور شامین کو آنے والی رات کا خوف تھا تو دوسری جانب نوجوانوں کو رات کا بے چینی سے انتظار تھا

قادر صاحب وہم ویقین کے درمیان جہاں آنے والی رات کا انتظار کر رہے تھے وہیں انہوں نے اس صورت حال سے نمٹنے کا بندوبست بھی کرنا تھا چنانچہ شام سے پہلے ہی وہ نکل کھڑے ہوئے

رات بھیگ رہی تھی گھر کے تما افراد ایک کمرے میں جمع تھے خوف اور اشتیاق نے ان صاحب کے چہروں پر بے چینی بکھیر دی تھی شامین اور صائم کو سب سے زیادہ انتظار قادر صاحب کا تھا ندیم عباس تو کے بعد ان کی امید کی آخری کرنا قادر صاحب تھے سب کی آنکھیں چشم براہ تھیں۔ آخر عشاء سے کچھ دیر قادر صاحب گھر میں داخل ہوئے ان کے ساتھ ایک مرجان مرنج شخصیت تھی جس کا تعارف قادر صاحب نے یوں کروایا

یہ صوفی خالد صاحب ہیں قادر صاحب مزید وضاحت کرتے ہوئے بولے مجھے یقین ہے کہ ان کی موجودگی میں کوئی خبیث روح یا آسیبی قوت ہم پر اثر انداز نہیں ہو سکتی

Downloaded from https://paksociety.com

یقین کرو تمہاری جان لے کر مجھے بہت دکھ ہوگا نارجن تاسف سے بولا تم بڑے پیارے ہو طاقت بھی رکھتے ہو لیکن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں نے سو سال آگ دیوتا کی پرستش کی ہے میری موت تو ایسی جگہ چھپی ہوئی ہے جس جگہ ہوا بھی نہیں پہنچ سکتی تم کیا چیز ہو اس سے پہلے کہ تم مجھے موت کا تحفہ دو میں یہ کھیل ہی ختم کر دوں گا ندیم عباس بولا سوچ لو تم کس سے ٹکر لے رہی ہو ایک ننھے پھول سے جن نے برجستہ جواب دیا یاد رکھو ندیم عباس میں شامین کی بدولت تم سب سے محبت کرتا ہوں تمہاری غلط بلکہ خوش فہمی کا جو بھی نتیجہ ہوگا اس کا ذمہ دار میں نہیں

ندیم عباس تحکمہ نہ انداز میں بولا ایک بات یاد رکھنا میں تمہاری موت لے کر گھر واپس لوٹوں گا نارجن نے ایک بلند قہقہہ لگایا اور بولا جلد آنا میں شامین کا آخری فیصلہ سننے والا ہوں مجھے امید ہے کہ اس کا فیصلہ جذبات اور حماقت سے عاری ہوگا!

اگر وہ حماقت کرئی گی تو اس کا نتیجہ اس کے اپنوں کے خون میں لتھڑی ہوئی لاشیں ہوں گی میں لاشوں پر کھڑے ہو کر اسے اپناؤں گا دیوتا کے سامنے وہ میرا ہو ہی جائی گی

ندیم عباس پر اس کی باتوں کا کیا اثر ہوا یہ مجھے معلوم نہیں کیونکہ میں ندیم عباس کے پیچھے تھی وہ مجھ سے ایک قدم آگے کھڑا نارجن س مخاطب تھا ندیم عباس کے سائے میں مجھے دنیا بھر کا تحفظ نظر آ رہا تھا پھر اس کی فیصلہ کن آواز ابھری سنو

اگر جا سکتے ہو تو چلے جاؤ نارجن کا جواب گویا ندیم عباس کے لیے چیلنج تھا پھر سیاہ رنگ کی آگ کا حلقہ سایہ میرے اور شارق کے گرد بن گیا مجھے سانپوں نے مضبوطی سے جکڑ لیا تھا ندیم عباس نے شاید میرا گھٹی گھٹی چیخ سن تھی اس نے میری سمت مڑے بغیر ہاتھ بڑھایا جسے میں نے مضبوطی سے پکڑ لیا آگ کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا پھر ندیم عباس منہ میں کچھ پڑھنے لگا اور پھر وہ وہ اجس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا ندیم عباس کی آنکھوں سے روشنی کے دو حلقے نمودار وہ ئے اور دیکھتے ہی دیکھتے جن کے تخت سے جا ٹکرائے دھویں کے بادل چھٹے تو نہ وہاں تخت تھا نہ جن تھا

نارجن کو ابھی تک اپنی اس حالت پر یقین نہ آیا تھا پھر وہ اچانک غضب ناک ہو کر ندیم عباس کی طرف مڑا اس کی حالت دیکھ کر میری خوف سے چیخ نکل گئی اس کی الو کی مانند گول آنکھیں حلقوں سے باہر ابھر ہوئی تھیں سیاہ ہونٹوں کے کناروں سے بڑے بڑے نوکیلے دانت نمودار ہو چکے تھے اس کی سیاہ خوفناک بال کیچوؤں کی طرح اس کی گردن اور سینے پر نہرا رہے تھے۔ شارق اس کو حقارت بھر نظروں سے دیکھ کر بولا

''ہاں اب بولو کون ہے سب سے زیادہ۔''

نارجن نے غصے میں کچھ کہنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی ندیم عباس نے ہاتھ کھڑا کر کے کہا بس اب باقی باتیں اگلی ملاقات پر ہوں گی اور وہ شاید ہماری آخری ملاقات ہوگی میری حالت کا ندیم عباس کو پہلے سے اندازہ تھا اس نے خدا جانے کیا کیا میرے جسم سے لپٹے ہوئے تمام سانپ کچے دھاگوں کی طرح ٹوٹ کر گر گئے مجھے ایسا محسوس ہو جیسے میرا پورا وجود سفید چادر میں لپٹ گیا ہے ہر طرف خوں اور غلاظت بکھری پڑی تھی میرا سر چکرایا جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو کسی درگارہ کے حجرے میں چٹائی پر پڑے پایا میں سفید لباس میں ملبوس خود کو ہلکا پھکا محسوس کر رہا تھا

میرے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جو مجھے ہوش میں آتے ہوئے دیکھ کر مسکرا اٹھا چند لمحوں میں ندیم عباس بھائی آئے انہیں دیکھ کر میرے ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے میں کتنی دیر اس کے سینے سے لگا رہا جب بوجھ کم محسوس ہونے لگا تو مجھ یقین ہو چلا تھا کہ ندیم عباس کے ہوتے ہوئے کائنات کی کوئی جن مجھ سے شامین کو نہیں چھین سکتا میں نے جب ندیم عباس سے گھر چلنے کو کہا تو وہ بولا کہ مجھے ایک دو روز بعد روانہ کر دے گا اور پھر خود بھی آ جائے گا

اب چونکہ میں وہاں پہنچ گیا تھا اس لیے ندیم عباس نے کہا کہ اجتماع کی تقریبات میں بھی شرکت کر لو جس حجرے میں مجھے ہوش آیا وہ بھی جماعتوں کے آرام کے لیے بنایا گیا تھا

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

صائم اور شاہین نے ایک نگاہ صوفی خالد صاحب پر ڈالی

وہ ایک پتلے دبلے درمیانے قد کے آدمی تھے سر کے بال کھچڑی داڑھی کا بھی یہی حال تھا البتہ ہاتھ میں تسبیح تھی صوفی صاحب کی شخصیت میں کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور تھی جس نے شاہین اور صائم کو حوصلہ بخشا تھا اور وہ چیز تھی صوفی صاحب کی آنکھیں جن کی مقناطیسی قوت اس بات کی غماز تھی کہ وہ عام ڈھونگی پیروں یا عاللوں کی صف میں نہیں صوفی صاحب سب کے چہروں کو پڑھنے کے بعد ہلکی مگر پراثر آواز میں مخاطب ہوئے میں یہ بھی بتا تا چلو ں کہ میری حد پرواز مقرر ہے جس کی حد سے میں باہر نہیں نکل سکتا ہاں اگر معاملہ میری اوقات سے بڑھ کر ہو تو جو رب کائنات کو منظور ہوگا وہی ہوگا ہم میں سے کسی کو حرف شکایت کی اجازت نہیں مختصر لیکن سچے خطاب نے ہر شخص کی نگاہ صوفی صاحب کا وقار مزید بلند کر دیا تھا

شاہین اور صائم کو کسی حد تک اطمینان ہو گیا تھا دوسرے لوگوں کے چہروں سے بھی عیاں تھا جیسے وہ کافی حد تک پرامید ہیں پھر وہ لوگ رات کے معرکے کے لیے تیاریوں میں مشغول ہو گئے ڈائنگ روم سے صوفے اٹھا دیئے گئے تھے سب نے قالین پر نشست کا اہتمام کیا۔ عشاء کی نماز بھی صوفی صاحب کی اقامت میں سب نے مل کر ادا کی آدھی رات گزر چکی تھی کمرے میں آویزان وال کلاک بارہ بجنے کا اعلان کر رہا تھا صوفی صاحب کی تسبیح گردش میں آ چکی تھی دانوں کی حرکت کے ساتھ ہی نتائج بھی رونما ہونے لگے عجیب وغریب آوازیں گونج رہی تھیں نواجونوں کے حلق سے دبی دبی چیخیں خارج ہونا شروع ہو گئیں سب لوگ اپنی زندگیوں کے ناقابل فراموش واقعہ سے دوچار ہو رہے تھے ابھی وہ حالات سے مقابلے کے لیے دل سنبھال بھی نہ پائے تھے کہ کمرے میں زوردار چیخ گونج اٹھی دہشت سے اکثر کی چیخیں نکل گئیں ہر فرد اپنی جگہ کانپ کر رہ گیا لڑکیوں کی آنکھوں سے تو خوف کے مارے آنسو نکل رہے تھے پھر ظاہر ہو گئی دہشت کی ملکہ کا انداز اس مرتبہ بھی نرالہ تھا اچانک صوفی صاحب کے سامنے اندھیرے کی دیوار تن گئی جس مین سے دو سرخ انگارے کی مانند آنکھیں گھور رہی تھیں یوں محسوس ہوتا تھا سیاہ چادر پر انگارے رکھ دیے گئے ہوں پھر تاریک نے پکارا کون ہو تم کیوں ان لوگوں کی جگہ مرنے چلے آئے ہو حقیر کیڑے۔

صوفی صاحب نے اس تلخ کلامی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے مکمل سکون سے جواب دیا ہر شے اپنی جگہ اچھی لگتی ہے تم اپنی دنیا میں خوش رہو ان لوگوں کو ان کی دنیا میں خوش رہنے دو قدرت کے قوانین سے ٹکرانا سراسر نادانی ہے تم خود کو اذیت دے رہا اور ان معصوم لوگوں کو بھی جاؤ ان کی زند گی سے نکل جاؤ۔ تمارا خمیر آگ اور ان کا خمیر خاک بھلا تمہارا اور ان کا کیا میل۔ جاؤ انکے نقصان کی خواہش ترک کر دو اور خود بھی نقصان سے محفوظ ہو جاؤ یہی سب کے لیے بہتر ہے سچائی اور نارجن دو متضاد باتیں تھیں چنانچہ وہ غرا کر بولا اپنی حیثیت سے بڑھ کر بات مت کرو تم گستاخ حقیر انسان تم مجھ پر کبھی غلبہ نہیں پا سکتے جاؤ اپنی ساری طاقت مقابلے پر لے آؤ اور میرے ایک وار کا ہی جواب دے دو یکھو میں اپنا وار کرنے لگا ہوں اور اس کے ساتھ ہی سامنے کی دیوار آگے کی طرف بڑھنا شروع ہو گئی ہر لمحے دیوار کا روپ بدلتا جا رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے کمرے میں موجود سب لوگ دو دیواروں کے بیچ کچلے جائیں گے لیکن ایسا نہ ہوا اب دیوار سیاہ پڑ رہی تھی پھر اس کی سطح چکنی محسوس ہونے لگی اچانک اس پر نارجن کیدو سرخ آنکھیں نمودار ہو گئیں اس لمحہ دیوار بالکل صائم اور مہر کے قریب آ گئیں سب لوگوں کے رنگ فق ہو گیا

دیوار صائم کے بالکل قریب آ گئی تھی اتنا قریب کہ صائم اسے ہاتھ سے چھو سکتا تھا اس کی سانس کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ بیان کرنا مشکل ہو گیا پھر اچانک دیوار کے درمیاں سے ایک منہ نمودار ہوا جو دیکھتے ہی دیکھتے بہت بڑے اژدھے کی شکل اختیار کر گیا جس کے خوفناک پھنکاریں نکل رہی تھیں کمرے میں موجود تمام لوگوں کے منہ سے خوف کے مارے چیخیں نکل رہی تھیں صائم خوف ک مارے ادھر ادھر بھاگ رہا تھا مگر پیچھے بھی دیوار تھی اس سے پہلے کہ وہ فرار کی راہ تلاش کرتا اژدھے نے منہ کھولا اور صائم کو نگل لیا صائم کی دلدوز چیخ نے سب کو پاگل کر دیا اژدھا اپنا منہ بند کر چکا تھا کمرے میں موجود ہر شخص پر غشی کی کیفیت طاری تھی

Downloaded from https://paksociety.com

ایک صرف صوفی صاحب تھے جو سجدے میں پڑے اللہ کی مدد طلب کر رہے تھے پھر رفتہ رفتہ اژدھا غائب ہو گیا دیوار سرکتی ہوئی واپس اصل جگہ پر جا پہنچی کمرے کی تاریکی میں صرف نارج کے خوفناک قہقہے گونج رہے تھے وہ بازی جیت چکا تھا اور شاید فضاء میں گونجنے والے وحشت ناک قہقہے اس کی جیت کا اعلان تھے یوں لگتا تھا جیسے وقت کی شہ رگ پر نارجن کے خونی پنجے گڑے ہوئے ہوں

☆.....☆.....☆

ناول کا اتنا حصہ لکھنے کے بعد میرا دماغ کافی حد تک معمول پر آ چکا تھا رات کے گیارہ بج رہے تھے صبح کی ٹرین سے مجھے واپس آنا تھا چنانچہ میں نے ناول کا مسودہ لپیٹا اور اپنے بیگ میں رکھ دیا دفعتاً میری نگاہ انگوٹھی پر پڑی نا جانے اس انگوٹھی میں کیا طلسم ہے میں نے دل ہی دل میں کہا اور انگوٹھی کو اپنے بیگ میں رکھ لیا یہ سوچ کر کہ جیسے ہی گھر جاؤں گا اسے دوبارہ نظر آنے پر پہن لوں گا ٹیبل پر رکھی گھڑی کا آلارم صبح پانچ بجنے کا اعلان کر رہا تھا میری ٹرین کا وقت روانگی صبح ساڑھے چھ بجے تھا اپنا سامان تو رات کو ہی باندھ چکا تھا ہوٹل کا بل بھی رات کو ہی ادا کر دیا تھا اب تو بس اپنی تیاری کرنا تھا اور پھر ہلکا پلکا ناشتہ باتھ روم جانے پہلے ہی میں نے روم سروس کو ناشتے کا کہہ دیا تھا پھر جیسے ہی میں تیار ہو کر باہر نکلا ناشتہ میز پر آن موجود ہوا ہوٹل سے نکلتے نکلتے چھ بج گئے مجھے رخصت کرنے والوں میں میرے کافی مداح شامل تھے جنہوں نے اپنی دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا تقریباً چھ گھنٹے کا سفر گزر چکا تھا منزل ابھی بارہ گھنٹے کی مسافت پر تھی میں خود کو کوس رہا تھا کہ ہوائی جہاز کے ذریعے کیوں نہ آیا وقت کاٹنا مشکل ہو رہا تھا پھر نا جانے کیوں ہاتھ ناول کی طرف بڑھتے چلے گیا ایک بات میں آپ کو یہاں بتاتا چلوں کہ اس ناول کے سلسلے میں بہت عجیب بات یہ تھی کہ یہ ناول میں نے خود نہیں لکھا بلکہ ایسا لگتا تھا جیسے میں کسی کے ادا کئے جانے والے لفظوں کی ڈکٹیشن کر رہا ہوں ایک مرتبہ پھر وہی غیر مرئی قوت مجھے ناول مکمل کرنے پر مجبور کرنے لگی

نارجن جا چکا تھا آہستہ آہستہ سب کو ہوش آنے لگا ہوش میں آنے کے بعد ہر چیز اپنی اصل جگہ پر تھی سارا واقعہ ایک خواب کی مانند معلوم ہوتا تھا اگر اس کے سچائی کا کوئی ثبوت تھا تو صرف صائم جسے دیو قامت اژدھا نگل چکا تھا حیدر جی کے ہوش اڑے ہوئے تھے وہ تقریباً چیختے ہوئے بولے صائم کہاں ہے میرا بچے ان کے الفاظ ٹوٹ رہے تھے وہ تقریباً گڑگڑاتے ہوئے صوفی صاحب سے بولے

صوفی صاحب خدارا بتایئے صائم کہاں گیا وہ تو میرے پاس امانت ہے ایک بیوہ عورت کی خدا کے وسطے میری مدد کیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ایک ماں کے سامنے مجرم بن کر پیش ہوں ہر چہرہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا صوفی صاحب نے آنکھیں کھولیں اور گہرا سانس لیتے ہوئے کہنے لگے میں ہار گیا ہم جیت گے ہیں یہ اعلان فتح تھا یا شکست یہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا اس بات کا احساس خود صوفی صاحب کو بھی ہو گیا تھا وہ بولے گھبرائیں نہیں آپ کا بچے خیریت سے ہے اور پرسوں تک انشاءاللہ وہ یہاں موجود ہو گا مگر وہ ہے کہاں ہر زبان سے سوال نکلا

یہ بتانے کی ہمیں اجازت نہیں ہے ہاں اتنا بتائے دیتے ہیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہے خیریت سے ہے مگر اب ہم لوگ کیا کریں اس کی ماں کو کیا جواب دیں

صوفی صاحب بولے آپ لوگ صدقہ دیں خیرات کریں اور رب العزت سے سربسجود ہو کر دعا کریں کہ وہ آپ کو اس بلا سے نجات دلائے اور ہاں پرسوں بچے کے آ جانے کے بعد اس بلا سے چھٹکارا کا کوئی حل نکالیں گے ابھی تک تو ساری بازیاسی تحت روح کے ہاتھ ہے ہاں مگر اس جگہ سے وہ رہ گئی ہے کہاں سے پھر سبھی یک زبان ہو کر بولے

وہیں سے جہاں سے بچے کو بچا کر لے گیا ہے حیدر جی بے قرار وہ کر بولے کون لے گیا ہے صوفی جی گویا ہوئے ہے کوئی اس کا اپنا ان الفاظ کے جواب میں شامین کے دل سے صرف ایک آواز نکلی اور وہ تھی ندیم عباس اس کا اپنا بھائی ندیم عباس ندیم عباس۔

Downloaded from https://paksociety.com

قسمت نے انہیں پھر امید کی کرن دکھادی تھی کچھ دیر بعد صوفی صاحب رخصت ہوئے درد دیوار پر غم کے پرچھائیاں تھیں ادھر صائم کی فکر دامن گیر تھا سب کی دل امید وگمان کے درمیان معلق تھے چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ابھی دو دن کے صائم کی ماں کو کچھ نہ بتایا جائے گھر کا ہر فرد خوفزدہ تھا کہ اگر صائم نہ ملا تو کیا ہوگا لوگ کیا کیا باتیں کریں گے مگر اک امید تھی جو دل کو قرار دے جاتی تھی صائم کو کھوئے آج تیسرا دن تھا صوفی صاحب کے کہنے کے مطابق آج اسے واپس آنا تھا صبح ہی سے ہر شخص کی نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں وقت کو پر لگے ہوئے تھے صبح دوپہر اور دوپہر شام میں ڈھل گئی تھی سورج کے ساتھ ساتھ ان کی امیدوں کے چراغ بھی بجھ رہے تھے

شامین بے چارگی کے عالم میں چھت پر لیٹا آسمان پر نمودار ہونے والے ستاروں کو گھور رہی تھی اس کے دل ودماغ پر حوادث کا شکار الفت کا غم تھا اس کے بیقرار سینے سے آہ نکلی جس کے جواب میں اتنی ہی درد بھری آواز میں کسی نے کہا

یوں تڑپ کر خدارا مجھے نہ تڑپاؤ شامین نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا تو سفید چاندی سے لباس میں شعلوں سے تراشے ہوئے پیکر کو پلٹے ہوئے پایا۔ چہرے پر اس قدر معصومیت اور بھولا پن تھا جیسے کوئی مقدس روح زمین پر اتر آئی ہو

مگر اس حسین صورت کے پردے میں چھپی بدصورت کردار سے شامین سے زیادہ اور کون واقف ہوسکتا تھا

یہی وجہ تھی کہ اس مجسم حشر ساماں کو دیکھ کر بھی شامین کے دل میں کوئی ارمان پیدا نہ ہوتا بلکہ اس کا چہرہ نفرت سے کھینچنے لگتا

شامین دیوانہ وار چلایا صائم کہاں ہے وہ ٹھیک تو ہے نہ جواباً وہ بولا پوچھا بھی تو کس کا مجھ سے کوئی میرے متعلق بات کرو میرے سوال کا جواب دو شامین پوری قوت سے چلایا بگڑو مت اور اچھے لگتے ہو نار جن نے مسکراتے ہوئے کہا اس کے بارے میں تو تمہارا وہ پہلوان صوفی پہلے ہی بتا چکا ہے کہ اسے کون لے گیا ہے؟

کیا یہ ندیم عباس نے کیا ہے شامین حیرت سے بولا

ہاں وہی ہے جس کو میں نے ڈھیل دے رکھی ہے وہ پھر امیر اشکار چھین لے گیا ہے جانتے ہو کیوں ں صرف اس لیے کہ میں اس کی جان نہیں لینا چاہتا اگر میں اسے روکنے کی کوشش کرتا تو وہ ختم ہو جاتا میں ایسا نہیں کر پائے کیونکہ مجھے وہ ہر شے پیاری ہے جسے تم پیار کرتی ہو مجھے صائم بھی تو پیارا ہے پھر تم اس کیوں جلتا ہوا سے بھی پیار کرو کیوں وہ میری پسند ہے مرجائے آپ اس ادا پر ہم سے ہماری رقیب کی زندگی طلب کر رہے ہو اس کی زندگی جس کے جینے سے ہمارا جینا محال ہو جائے جو ہمارا پیار ہم سے چھین لے ہم اسکی حفاظت کریں کیا

کون کس کی محبت چھین رہا ہے وہ یا تم اس کا فیصلہ تم نے کیسے کر لیا شامین بولی

ہاں اس کا فیصلہ مجھ کو کرنا ہے تم تو جانتے ہی نہیں کوئی تمہیں کب سے چاہتا ہے

تم جس صائم کی بات کرتے ہو وہ تو تمہیں پانچ سال سے چاہتا ہے اور میں میں تو تمہیں اس وقت سے چاہتا ہوں جب تم بمشکل پانچ برس کی تھی تمہیں تو شاید اپنے چچا کا وہ آنگن بھی یاد نہ ہوگا جہاں میں نے اپنی زندگی کے قیمتی سال تمارے انتظار میں گزارے آج تم مجھے محبت کا سبق سکھا رہی ہو شامین میں نے تمہارے لیے سب کو چھوڑ دیا میں نے تو اپنی واپسی کا تمام راستے بند کر دیے اپنا ہر رشتہ ناطہ توڑ دیا۔ صرف تمارے لیے اپنی تما کشتیاں جلا کر بھی میں تم تک نہ پہنچ سکوں نہیں شامین تم مجھے نہیں چھوڑ سکتی اگر تم نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں تم کسے وابستہ ہر چیز کو جلا کر خاک کر دوں گا میں اپنی محبت چھین کر حاصل کر لوں گا۔

Downloaded from https://paksociety.com

یادرکھو اگر اب تم نے میری محبت کی تذلیل کی تو تمہارے سامنے تمہارے اپنے لاشوں کی صورت میں بکھرے ہوئے پڑے ہوں گے

میں ہر گھڑی تمہاری حفاظت کرتا ہوں اس لیے کہ مجھے یقین تھا کہ تم صرف میری ہو تم سے دستبرداری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

جاؤ سوچو اور ایسا فیصلہ کرو جو سب کے لیے بہتر ہو تمہارے پاس آج کی رات ہے اگر تمہارے جواب ناں میں ہوا تو تمہارے عزیزوں کے خون میں لتھڑے چہرے تم سے سوال کریں گے

میرے محبوب مجھے ہر اس گھڑی کی قسم جو تمہیں دیکھ دیکھ کر میں نے گزارے تم میری ہوتے ہوئے کسی کے نہیں ہو سکتی

تیری الفت کی قسم میں لہو کی رم جھم میں تجھے اپناؤں گا مس نے تیری خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ دیا۔ اب بھی اگر تو میرا نا ہوا تو تجھے پانے کے لیے ایک ایک چاہنے والے کی بلی لے لوں گا شامین کا ذہن سوچوں میں الجھا ہوا تھا اس وقت اس کی نگاہیں بھی دروازے پر لگی ہوئی تھیں تیسرا دن بھی اختتام پزیر ہونے کو تھا اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور سامنے صائم کھڑا تھا ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ چکے تھے وہ حیدر جی کے کندھے سے لگے کر رو رہا تھا حیدر کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ بولے بیٹا تم تھا کہاں

صائم سب کے سوالیہ چہرے پڑھ چکا تھا اس نے فوراً جواب دیا میں وہیں تھا جہاں شارق تھے

سب حیرت کا جھٹکا لگا کہ شارق تو کسی اجتماع میں شرکت کرنے گیا ہے سب اس واقعے کی تفصیل جاننا چاہتے تھے صائم بھی سب کی بے قرار سمجھ گیا لہذا بولا

جب مجھے اس خوفناک اژدھے نے نگلا اتنا کہتے ہوئے صائم کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا مگر اسے نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا

تو ایک لمے کے لیے مجھے محسوس ہوا کہ میرا دل دھڑکنا رک گیا ہے اعصاب پر اتنا تناؤ تھا کہ مجھے اپنا سر پھٹتا ہوا محسوس ہوا جب اژدھے کا منہ بند ہوا تو انر اتنی تاریکی اور گھٹن تھی کہ میری دھڑکن واقعی تھم گئی شاید میں بے ہوش ہو گیا تھا

حاضرین محفل کی توجہ عروج پر تھی صائم اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک عجیب وغریب جگہ پر تھا عجیب بے ڈھنگا ہال تھا ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کسی غار میں اندرونی حصہ ہو میں نے اصل زندگی میں غار نہیں دیکھا مگر ڈراموں وغیرہ میں دکھائے گئے غاروں سے لگتا تھا یہ بھی کوئی غار ہی کی شکل ہے

عجیب ہودہ اور دہشت ناک نقشہ تھا پتھر کی دیواروں میں بے ڈھنگی دراڑیں تھی دیواروں پر عجیب وغریب تصویریں کندہ تھیں جو آدھی سے زیادہ جالوں سے ڈھکی ہوئی تھیں باقیوں پر بھی مکڑیوں اور حشرات الارض چمٹے ہوئے تھے اچانک میری نگاہ غار کے ناہموار فرش پر پڑی ایک لمحے کے لیے میں چیخ اٹھی جس کا جوا ایک خوف ناک پھنکار کی صورت میں ملا میرے اردگرد بلکہ چاروں جانب سانپ تھے حتی کہ میری ٹانگوں تک سے لپٹے ہوئے تھے کچھ میری کمر پر رینگ رہے تھے میں دہشت سے اٹھ کھڑا ہوا میرا شعور جاگ چکا تھا میں سانپوں کو اپنے وجود پر رینگتے ہوئے محسوس کر سکتا تھا احساس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ میں سر تا برہنہ تھا ہزاروں کی تعداد میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے لہلہاتے سانپ ہی میرے حواس کھونے کے لیے کافی تھے میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو چکی تھی دفعتاً مجھے ہر طرف انسانی ہڈیاں بکھری ہوئی نظر آئیں سانپوں کے گزرنے سے آنے والی جھرجھریاں مجھے موت کے ٹھنڈے جھٹکے محسوس ہوتے تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

انسانی ہڈیوں میں مجھے اپنا ویسا مستقبل نظر آ رہا تھا لیکن ایک بات میرے لیے قابل حیرت تھی وہ یہ کہ اتنے سانپ ہونے کے باوجود بھی کسی نے مجھے ڈسنے کی کوشش نہ کی پھر شعلوں کی روشنی میں مجھے وہی نار جن نظر آیا وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا تو ایک سانپ نے پھنکار کر دیوار کی جانب منہ کیا دیوار شق ہوگئی اس جگہ اب ایک منظر رونما ہوا ایک بڑا سا سنہری تخت تھا جس کی لہت سانپ کے پھیلے ہوئے پھن کی مانند تھی تخت کے دونوں اطراف مینسبز لباس میں ملبوس دونو جوان تھے اردگرد کی روشنی میں ان کے چہرے سنگ مرمر کی طرح چمک رہے تھے سارا کسی شاعر کے تصور کی مانند لگ رہا تھا

ایک وہ تھا اور دوسری جانب سانپوں میں گھرا میں جن کی آنکھوں میں میرے لیے غرور اور حقارت تھی اس کے انداز سے اس کی فتح اور میری تذلیل جھلک رہی تھیں جسے میں بجا طور پر محسوس کر سکتا تھا

مسلسل بولنے سے صائم کا گلا خشک ہونے لگا وہ تھوڑی دیر کے لیے رکا پانی کے چند گھونٹ حلق سے اتارتب لوگ بے چینی سے اسکے دوبارہ بولنے کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ وہ کوئی خوفناک کہانی نہیں سن رہے تھے بلکہ ایک حقیقت سے آشنا ہو رہے تھے ایک ایسی دہشت کا حال جان رہے تھے جس کا شکار وہ خود بھی تھے اس مایا غرور نے مجھ سے کہا دیکھ خود کو اور پھر مجھ کو اور خود ہی فیصلہ کر کہ شامین پر کس کا حق ہے کیا تم جیسا حقیر لڑکا کا میرے مقابل آنا دانش مندی ہے تم طاقت دولت حسن دل آویزی کس بات میں بھی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا پھر بھی تم میرے مقابل آ گئیں مجھے آج بھی تم سے ہمدردی ہے اب بھی میں تم پر رحم کرتی ہوں اور فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں کہ خود ہی اپنے لیے کوئی سزا تجویز کر لو مگر یہ خیال رکھنا کہ سزا میرے قہر کے شایان شان ہو

میں اردگرد کے ماحول اور اپنی حالت زار کو دیکھ کر اپنے لیے کسی آسان موت کا طریقہ سوچنے لگا مرنا تو مجھے تھا ہی شاید جن میری سوچ پڑھ چکی تھی اس نے میری طرف فاتحانہ نگاہوں سے دیکھا اور بولا فیصلہ نہیں ہو رہا یا تو ہم سے مدد لے لو ہم کوئی آسان موت تجویز کر دیتے ہیں اس کی نگاہوں میں میرے لیے تمسخر اور حقارت تھی پھر اس نے اپنی نگشت شادت کے رخ میری طرف کر دیا ایک آگ کا شعلہ اس کی انگلی سے نکل کر میری جانب لپکا میں نے آنکھیں بند کر کے مرنے کے لیے تیار ہو گیا اس سے پہلے کہ وہ شعلہ میرے سینے سے ٹکراتا ایک ہاتھ خود بخود نمودار ہو گیا آگ کی ہاتھ میں سمانے لگا اور آخر کار ختم ہو گیا آہستہ آہستہ اہاتھ کے ساتھ بازو اور پھر پورا وجود نمودار ہو گیا یہ ندیم عباس تھا جہاں امید کی شمعوں سے میرا دل منور ہو رہا تھا ندیم عباس کا رخ جن کی جانب تھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی وہ شان بے نیازی سے بولا اتنی بھی کیا جلدی تھی کم از کم میرا انتظار تو کر لیا ہوتا وہ کھلھلا کر ہنس دی اوندیم عباس سے بولا میں کیا کرتا یہ لوگ پھر کسی مسخرے کو اٹھا لائے تھے مجھے طیش دلانے کے لیے ندیم عباس پھر اطمینان س بولا مگر تم نے بھی تو بڑے پن کا مظاہرہ نہیں کیا بچوں جیسی حرکتیں کرتے ہو تم

یہ بات ندیم عباس نے میری طرف اشارہ کر کے کہی تھی بڑا ترپ ہے تمہارے دل میں اس کے لیے ہم سے ذرا سی ہمدردی بھی نہیں میرے پاس تمہارے لیے صرف درد ہے جو میں تمہیں دے کر رہوں گا ندیم عبا غصے سے غرایا

جن کا ردعمل عجیب تھا وہ غضب ناک ہونے کے بجائے ہنس رہا تھا اسی روایتی محبت پھر بولا دیکھو ندیم عباس! میں نے آخری فیصلہ تمہارے بہن پر چھوڑ دیا ہے اگر وہ مجھے اپنا لے تو سب مزے سے رہے گئے اگر وہ مجھے مایوس کرئی گی تو میرا وحشت جاگ اٹھے گی پھر سب کچھ ختم ہو جائے گا وہ تہنا ہو کر بھی میر ہی ہو گا ندیم عبا سمعنی خیز اندز میں مسکرایا اور بولا دھمکیاں خوب دے لیتا ہو لیکن رہا مارنے مرنے کا فیصلہ تو یہ فیصلہ تو وقت ہی کرے گا

Downloaded from https://paksociety.com

ات کو تقریباً تین چار لوگ یہاں سو ہوے تھے میرے تنہا ہونے کی وجہ دن کا وقت تھا شارق کی وجہ سے کافی لوگ مجھے جان گئے تھے اور شاید ندیم عباس کی وجہ سے ہی میرے عزت بھی کرتے تھے ان کے انداز سے عقیدت جھلکتی تھی شارق کی پراسرار شخصیت کی گرہیں کھل رہی تھیں پھر ندیم عباس نے مجھے واپسی کے لیے روانہ کیا میں اس سے لاکھ کہا کہ میں تمارے بغیر نہیں جاؤں گا لیکن اس کا اصرار تھا کہ تمہاری واپسی کے لیے جس وقت کا کہا تھا وہ یہی ہے میرے خوف اور پریشانی کو ندیم عباس نے بھانپ لیا تھا وہ بولا

صائم بھائی آج کی رات جیسے تیسے کر کے گذار لیں کا انشاءاللہ میں جن کی موت کا راز لے کر آوں گا جسے اگنی دیوتا نے کہیں چھپا دیا ہے ایس الگ رہا تھا جیسے یہ قصہ الف لیلہ کی طرح کبھی ختم نہ ہوگا لیکن آخر کار اسے انجام پذیر ہونا پڑا سب کے دلوں میں خوشیوں کے محل تعمیر ہونے لگے کہ بس آج کی رات مشکل ہے کل سے یہ منحوس عورت ہمیشہ کے لے جان چھوڑ دے گا مگر شامین کی ایک ہی بات نے سب خوشیاں ریت کے محل کی طرح ڈھیر کر دیں

میں آپ کو بتانا نہیں چاہتی تھی مگر شاید اب بتانا ضروری ہو گیا ہے نارجن نے میرے سامنے دو راہیں رکھ دیں ہیں اول تو ی کہ میں اسے اپنا لوں دوم یہ کہ اسے ٹھکرا کر پورے خاندان کی موت کا ذمہ دار بن جاؤں سب سے بڑی غلطی جو میں جذبات کی رومی بہہ کر کر چکا ہوں وہ نارجن کی محبت کو ٹھکرانا ہے میں اس کو بری طرح ٹھکرا آئی ہوں اور شاید آج رات وہ مجھے مجبور کرنے کے لیے پھر آن موجود ہوگا

آپ لوگوں کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتی نارجن آگ کا کک مگر وہ ترین روپ ہے آگ صرف جلانا جانتا ہے کون جل رہا ہے آگ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا

میں جانتی ہوں کہ اس کا پہلا شکار صائم ہوگا اگر ندیم عباس آج رات تک اس کی موت کا راز لے کر آ گیا تو شاید ہم بچ جائیں ورنہ ہمارا اندوہناک انجام میں چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں پھر وہ مہمانوں سے مخاطب ہو کر بولی

نارجن کے وجود پر تو اپ آپ سب لوگوں کو یقین آ گیا ہوگا میں نہیں چاہتا کہ آپ لوگ ہماری وجہ سے مصیبت میں آئیں اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ آگ کے بھڑکنے سے پہلے محفوظ مقامات پر پہنچ جائیں

پھر شامین حیدر جی سے مخاطب ہو کر بولی

پاپا میں نے دینا میں آپ اور ندیم عباس کے بعد سب سے زیادہ صائم کو چاہا ہے میں صائم کے بغیر جینے کا تصور ہی نہی کر سکتی اگر مجھے یقین ہوتا کہ نارجن کو اپنا کر صائم کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا تو شاید میں اپنی قربانی دے دیتی مگر میں جانتا ہوں کہ وہ زہریلی ناگ صائم کو کبھی نیں چھوڑے گا اس لیے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ صائم اور اپنی بقا کی جنگ میں خود لڑوں گا

اتنے سارے لوگوں کے موجودگی میں نار کا مقابلہ کافی مشکل ہوگا میں چاہتی ہوں کہ آپ سب لوگوں کو لے کر کسی محفوظ مقام پر منتقل ہو جائیں ندیم عباس کی واپسی تک میں کسی طرح نارجن کو روکنے کی کوشش کروں گی سب لوگ خاموشی سے شامین کی باتیں سن رہے تھے ا

امبر جو کافی دیر سے خاموش تھی شامین سے مخاطب ہوئی

شامین بہن! آپ ہماری اپنی ہیں ہمارا خون خاندان سے ایک ہے جب ہماری خوشیاں ایک ہیں تو غم و تکلیف ایک کیوں نہیں ہم سب آپ کے ساتھ رہیں گے ہماری فتح ہماری شکست ایک ہوگی نارجن ہمارے جیتے جی صائم کو نقصان نہیں پہنچائے گا بس آپ ہماری فکر چھوڑیں ہم میں سے ہر ایک صائم کے آگے آہنی دیوار بن کر کھڑا ہوگا ہمارے جیتے جی نارجن صائم کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

Downloaded from https://paksociety.com

شامین کی کوئی پیش نہ چلی آخر کار اسے سب کے سامنے گردن جھکا دی سب کو شارق کا انتظار تھا اگر ندیم عباس نارجن کی موت کا راز لے کر پہنچ جاتا ہے تو جن کا خاتمہ ممکن ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہماری موت یقینی ہوگی شامینخو ابیدہ لہجے میں بولا کل کا انتظار ہمیں ہے دیوں کو نہیں وہ تو آج دن یا رات میں کسی وت بھی آ موجود ہوگا سب کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہیں تھی مگر سبھی ایک دوسرے کو حوصلہ دے رہے تھے

☆.....☆.....☆

میں ناول میں اس قدر محو تھا کہ صادق آباد کب آ گیا مجھے پتہ ہی نہ چلا سارے راستے میں صرف ایک اسٹیشن پر تھوڑی دیر کے لیے باہر نکلا تھا پھر جو گاڑی کی وسل سن کر سیٹ پر بیٹھا تو لاہور آنے تک اٹھنے کا وقت نہ ملا جب اسٹیشن سے گھر پہنچا تھا تو جسم تھکن سے چور تھا مگر بچوں سے ملکر تھکن دور ہوگئی تھی میں سب کو نا کی من پسند چیزوں کے تحفے دیے نہا کر آیا تو بہو نے کھانا لگا دیا تھا کھانا کھاتے ہی ذہن پر پھر وہی انگوٹھی چھا گئی اور کھانا ختم ہوتے ہی میں نے ہدایت کے مطابق انگوٹھی دراز میں رکھ دیا اور سوچ لیا کہ جیسے ہی یہ دوبارہ نظر آئی اسے پہن لوں گا دیکوں گا آخر ہوتا کیا ہے؟

اس کے بعد میں سونے کیلے چلا گیا اور دیر تک سوتا رہا صبح آنکھ کھلی تو پتہ چلا کہ صبح کے آٹھ بج چکے ہیں دونوں بیٹے گھر آ چکے تھے رات افق پر اپنا پھن پھیلائے کھڑی تھی اس وقت نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی جی میں آیا کہ حیدر جی کے پاس دو گھڑی جا بیٹھوں مگر اس وقت انہیں زحمت دینا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا سوچا صبح ان سے مل لوں گا اور آئے ہوئے مہمانوں سے بھی طویل گپ شپ کر کے سارے شکوے دور کر دوں گا اب میرے پاس وقت ہی وقت تھا رات کی ان گھڑیوں کو بتانے کے لیے میں نے نامکمل ناول کا مسودہ نکالا اور لکھنے بیٹھ گیا رات اپنے شباب پر تھی مست اندھیرے انگڑیاں لے رہے تھے لوگ نیند کے مزے لے رہے تھے چند خاص لوگ تھے جو اس وقت بھی بیدار تھے کچھ زاہد تھے اور مالک حقیقی کی یاد میں گریہ و زاری کر رہے تھے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے تھے کچھ رب ذوالجلال کے قرب کے متلاشی تھے کچھ لوگ اندھیر رات کی سیاسی اپنے دلوں اور اپنے ہوس زدہ اعمالوں ناموں پر اپنی کاریوں کے ذریعے مل رہے ہیں کہیں کوئی کسی کو لوٹنے کا ارادہ کیے بیٹھا ہوگا کہیں کوئی محافظ کسی کی حفاظت میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے بیٹھا ہوگا کوئی عارضہ قلب میں مبتلا بیدار ہوگا کوئی مسیحائی کے لیے بیدار ہوگا کوئی میرے جیسا تخلیق کار جس کی فطرت اسے نئے خیالات نئے داستانیں تراشنے کے لیے جاگنے پر مجبور کر رہی تھیں ان سب سے الگ ایک مکان میں چند الگ الگ خیالات کے لوگ جاگ رہے تھے جن کی زندگی پر دہشت کا پہرہ تھا وہ آج کی رات کے جلتی ہوئی شمع کی مانند آخری رات تصور کر رہے تھے یہ لوگ تھے مرزا جی کے اہل خانہ اور رشتہ دار جنہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ یہ رات ذکر و ورد میں بسر کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہے گے اس فیصلے کی ایک بڑی وجہ ندیم عباس کا انتظار تھا اور اس علیٰ ذات پر اعتماد تھا جس کے ذکر میں ان کو اپنی فتح نظر آ رہی تھی

آنے والے کل کی تو خبر بھی نہ تھی کہ وہ آئے گا یا نہیں اسے تو کل آنا تھا اور کل کس نے دیکھی تھی شاید کل دیکھنے کے لیے کسی نے باقی بھی رہنا تھا یا نہیں مگر پھر بھی ایک امید تھی اور اسی امید کے سارے یہ دہشت زدہ لوگ یہ عرصہ گن گن کر گزار رہے تھے

خوف سے ان کے چہرے پر بڑھاپا طاری کر دیا تھا مگر ان کی آس جوان تھی آنے والی تباہی کا احساس نہیں خشک پتے کی طرح لرز رہا تھا پھر وہ آ ہی گئی جس کے خوف سے سب کی نیندیں آری ہوئیں تھیں

ٹھیک ایک بجے حیدر جی کے مکان کے در و دیوار تیز گڑگڑاہٹ کے ساتھ لرزنے لگے تھے ہر شے میں ارتعاش آ گیا تھا یوں لگتا تھا جیسے دنیا کے خوفناک ترین زلزلے کا مرکز یہ مکان ہو الماریوں کے شیشے جھٹکوں کی تاب نہ لاتے ہوئے زوردار آواز سے ٹوٹتے اور پورے گھر میں بکھرتے چلے گئے خوب کے مارے سب کے حلق خشک ہو رہے تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

زلزلوں کے کے جھٹکے ابھی تھمے ہی کہاں تھے کہ ڈائنگ روم میں موجود برتنوں کی الماریوں بری طرح سے جھولنے لگیں نازک ونفیس برتنوں کے گرگر کر ٹوٹنے کیآ واز کوئی انوکھا ساز معلوم ہوتی تھیں کمرے میں شور اور اندھیرا اس قدر تیزی سے پھیلا تھا کہ بیگم حیدر صاحبا اور بیگم قادر چکرا کر گر گئیں یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا تھا کہ وہ بے ہوش ہوئیں تھیں یا ہمیشہ کیلیے دنیا سے ناطہ توڑ گئیں تھیں گھپ اندھیرا تھا زلزلے کی کیفیت تھم چکی تھی کمرے میں ہلکی ہلکی سسکیوں اور تیز سانسوں کے سوا کوئی آواز نہ تھی یہ سسکیاں اور تیز سانسیں ان لوگوں کی تھیں جو کمرے میں آنے والی خوفناک مصیبت سے دست آزما ہونے کی تیاری کر رہے تھے پھر اچانک کمرے کی چھت جل اٹھی چھت سے شعلے نکل رہے تھے پھر ان شعلوں سے سیاہ رنگ کا دھواں اٹھنے لگا جس کے مرغولے جن کیشکل اختیار کر گئے جس لمحے کے خوف اور انتظار نے پورے گھر کی نینداڑا رکھی تھی وہ لمحہ آن پہنچا تھا سیاہ لباس میں ملبوس خوف اور دہشت کی جن آن کی موجود تھا اپنی تمام تر بدصورتیوں اور خوفناکیوں کے ساتھ وہ کمرے میں آن موجود تھا اس کے نیلاہٹ مائل سیاہ ہونٹ الو کی مانند گول آنکھیں گردن شانوں اور سینے پر بکھرے خوفناک کیچوں جیسے بال سیاہ ناخن سیاہ باریک لباس سے جھلکنے والے سفید بازوں سینے کے سامنے کراس کا نشان بنا رہے تھے ایک رنگ کے سوا جن کا ہرانگ خوف اور دہشت کی علامت تھا پھر فضا میں الو اور بلیون کے رونے کی صدائیں گونجے لگیں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سیکنڑوں بدروحیں کسی عظیم سانحے پر بین کر رہی ہوں پھر اچانک جن کے منہ کھلا اور دو نوکیلے دانت ہونٹوں کے کناروں سے باہر نمودار ہونے لگے نارجن کے سیاہ ہونٹوں سے نمودار ہونے والے یہ دانت کمرے کے ماحول میں اضافہ کر رہے تھے نارجن شارق کو نا پا کر شاید اپنے آپ کو فتح مند سمجھ رہا تھا وہ زوردار قہقہ لگا کر مسکرایا اس کی خون آول دسرخ زبان کف اڑاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی

اس عجیب وغریب قہقے میں اس کے حلق سے نکلنے والی غراہٹ مزید دہشت ناک محسوس ہو رہی تھیں ایسا لگتا تھا کہ سننے والوں کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کر جائیں گی مگر شاید نارجن کی دہشت نے سب کے حوصلے مضبوط کر دیے تھے نارجن ہو میں معلق تھا وہ بولا

آج تم سب کی آخری رات ہے میں اگنی دیوتا کی بارگاہ میں قسم کھا کر آیا ہوں کہ یہاں پر سوائے میرے محبوب کی کوئی زندہ نہیں بچے گا کوئی نہیں اتنا کہہ کر وہ تیزی سے صائم کی جانب لپکا

یا اللہ خیر حیدر صاحب کی بھابھی کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور پھر اگلے لمحے وہ ڈھڑام سے فرش پر جایں

نارجن پر کسی کی آہ وسسکی کا کوئی اثر نہیں تھا وہ تو صائم کے خون کی پیاسا تھا صائم کی آنکھوں میں اسے اپنی شکست نظر آتی تھیں اس لیے اس کا سب سے پہلا شکار صائم تھا بلا صائم کے سر پر جا پہنچی امبر جو کہ صائم کے قریب ہی کھڑی تھی اس نے صائم کو زور سے دھکا دے کر پڑے ہٹا دیا اور خود سامنے آ گی نارا اپنے حملے کو ناکام دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا اس نے منہ سے خوفناک غراہٹ نکالی اور تیزی سے امبر کا بازو پکڑا پھر دونوں بازوں کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ وہ کاندھے سے الگ ہو گئے دونوں شانوں سے خو کی ندیاں رواں تھیں امبر نے اپنے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو سچ کر دکھایا تھا اور آخری لمحے تک نارا اور صائم کے درمیان آہنی دیوار بن کر کھڑی رہی

نارجن نے دم توڑتی ہوئی امبر کو اٹھایا اور پھر زوردار جھٹکے سے جلتی ہوئی چھت کی طرف اچھال دیا

بھڑکے ہوئے شعلے امبر کی رشمی لباس سے لپٹ رہے تھے ہوا میں کپڑے اور گوشت کے جلنے کی عجیب وغریب بو پھیل رہی تھیں فضا میں امبر کی آخری چیخ گونجی اور پھر اسکی تکالیف ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئیں

امبر کی حالت شامین کے ہوش وہواس اڑا گئی وہ غصے کی حالت میں نارجن کی طرف بڑھی اور اسے زور سے ٹھوکر لگائی مگر وہاں کوئی وجود ہوتا تو چوٹ لگتی اس کی بڑھتی ہوئی ٹانگ نارجن کے وجود سے اس طرح گزر گئی جیسے ہوا میں سے گزری ہو۔

Downloaded from https://paksociety.com

پھر جن شامین کی طرف متوجہ ہوا ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی غیر مری قوت اسے گھسیٹتی ہوئی دیوار تک لے گئی ہو پھر وہ آہستہ آہستہ کھنچتا ہوا دیوار کے وسط میں جا پہنچا اب اس کی حالت یہ تھی کہ اس کے پاؤں زمین سے دو فٹ بلند تھے

ہاتھ اس طرح پھیلے ہوئے تھے جیسے صلیب پر لٹکی ہو

اگلے لمحے نار کی آنکھوں سے دو شعلے شامین کی جانب لپکے طارق کا سادہ لباس پنچوں سے دیوار میں گڑ گیا وہ زور سے چلایا میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا کتے کی موت ماروں گا تجھے مگر بازی جن کے ہاتھ تھی جس کے قہر میں کوئی فرق نہ آیا وہ ایک بار پھر صائم پر جھپٹا اس مرتبہ بیٹی کے غم میں نڈھال قادر صاحب نے اس کی راہ روکنے کی کوشش کی مگر آنکھوں سے بہتے آنسو اس کی راہ نہیں روک سکتے تھے بلا کا ہاتھ بلند ہوا نہ جانے کہاں سے ایک تلوار اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ پھر اس کے ایک ہی بھرپور وار نے قادر صاحب کو کندھے سے لے کر ران کر چیر کر رکھ دیا ان کا جسم دو ٹکڑوں میں بٹ گیا جسم کا اندرونی اعضاء باہر لٹکنے لگے پورہ کمرہ دلدوز چیخوں سے گونج رہا تھا یوں محسوس ہوتا تھا کہ چیخوں کی آواز سے چھت اور دیواریں گر جائیں گی

امبر کی جلتی ہوئی لاش سے اٹھنے والی بدبو کٹے ہوئے بازوں اور چاک سینے سے نکلنے والے خون نے نہ صرف دیواروں کو گلزار کر دیا تھا بلکہ اب تو قالین بھی ت ہو گیا تھا جلتی ہوئی چھت کی سرخ روشنی میں امبر کی لاش ہوش معطل کرنے کے لیے کافی تھی اس کے ساتھ قادر صاحب کی دولخت لا ش ماحول کو مزید خوف ناک کر رہی تھی سحر اپنی بہن اور باپ کی موت برداشت نہ کر سکی اور ہوا س کھو بیٹھی

تہمیہ اور مہر کے حو

صلے بھی جواب دے گئے وہ لڑکھڑاتی زبان میں آیۃ الکرسی کا ورد کر رہی تھیں

پھر ثمینہ کی چٹیا بلا کے ہاتھ میں آ گئی اس نے اسے چیٹا سے پکڑا کر ہوا میں گھمانا شروع کر دیا ثمینہ کے بالوں سے نکلنے والا خون اس کے چہر ے پر پھیل رہا تھا خوف کے مارے اس کی زبان بند ہو چکی تھی

قمر اپنی بہن کی یہ حالت برداشت نہ کر سکا وہ تیزی سے بلا کی طرف جھپٹا اور اس سے زور سے جا ٹکرایا بلا نے گھومتی ہوئی ثمینہ کو جھٹکے سے چھوڑا اس کے سر زور سے ٹ

ٹکرایا اس کی ٹوٹی ہڈیاں زمین پر گریں اور اس کی جان نکل گئی

اب قمر کی باری تھی بلا اس کی مداخلت کو برداشت نہیں کر پائی تھی اس کا نوکیلے پنچوں والا ہاتھ تیزی سے قمر کے پیٹ کی طرف بڑھا اور سینے کو پھاڑتا ہوا دل سینے سے باہر لے آیا قمر بھی بے جان ہو کر گر چکا تھا نار نے قمر کا دل دانتوں سے چبا ڈالا خون اس کے جبڑوں سے بہتا ہوا گالوں سے پھیل رہا تھا نار کی خوفناک شکل مزید خوفناک ہو گئی تھی حاضرین اس منظر کی تاب نہ لا سکے کچھ کے شوش کھو گئے اور کچھ دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے ۔مگر موت سے کون منہ موڑ سکا ہے اب نار نے صائم کی جانب پھر رخ کیا۔ مگر اس کے راستے میں مولوی صاحب آ گئے مولوی صاحب اچھے خاصے بزرگ اور باریش آدمی تھے بلا نے اس مرتبہ اپنا ہاتھ مولوی صاحب کی جانب بڑھایا ہاتھ نے تیز نیزے کی شکل اختیار کر لی تھیں پھری نیز اتیزی سے مولو ی صاحب کی جانب بڑھنے لگا اس سے پہلے کہ نیز مولوی صاحب کے سینے کو چھوتا نا جانے کہاں سے ایک آہنی ہاتھ نیزے کے سامنے آ گیا نا جانے کہا ں سے ندیم عباس نمودار ہو کر درمیان میں آ گیا تھا نار جن کے ہاتھوں سے بیک وقت دس نیزے نمودار ہوئے اور سب کے سب شارق کے سینے سے ٹکرا کر پھول بن گے شارق کو غیر متوقع طور پر پا کر ایک مرتبہ تو جن کو بھی جھٹکا لگا پھر اسکا اتنا کاری وار ضائع ہونا دوسرا بڑا جھٹکا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

پھر نارجن نے اپنی پوری قوت کے ساتھ پھونک ماری اپنے زور سے آندھی چلی کہ درمیان میں موجود تمام چیزیں اڑ کر ادھر ادھر ہو گئیں ندیم عباس اور صائم اور مولوی صاحب تیزی کے ساتھ دیوار سے جا ٹکرائے

اگلے لمحے دیوار ٹوٹ کر گر گئی یکا یک ایک دھماکہ ہوا میں لکھتے لکھتے چونک گیا۔ دھماکے نے میرے اعصاب کو بری طرح جھنجھوڑ میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا تو بری طرح اچھل پڑا میرے سامنے دیوار کی بجائے حیدر جی کا ڈرائنگ روم تھا حیدر جی کا ڈائنگ روم میرے کمرے کی دوسری طرف تھا جو دیوار گرنے کے بعد میرے گھر کا حصہ معلوم ہو رہا تھا حیدر جی شارق اور صائم اس وقت میرے کمرے میں موجود تھے کمرے کی چھت جل رہی تھی چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی تھیں کچھ بے ہوش تھے جن کے بارے میں یہ کہنا ممکن نہیں تھا کہ وہ زندہ ہیں یا مردہ سامنے کی دیوار میں کیلوں سے ٹنگا ہوئی شامین تھی

دہشت کا جن ہوا میں معلق تھا سارے کا سارا منظر میرے ناول والا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ میری سوچ کاغذوں پر تحریر تھی اور حیدر جی کے گھر کا ماحول میری تحریر کا عملی عکس تھا

میں قلم ہاتھ میں لے گم صم کھڑا تھا میری زبان حیرت س گنگ تھی یا خدا یہ وہم ہے یا حقیقت بحر حال جو کچھ بھی تھا میرے ناول کا عملی منظر تھا ساری صورت حال میری آنکھوں کے عین سامنے تھی میں بے حس و حرکت کھڑا تھا

پھر ندیم عباس کی آنکھوں سے روشنی کا گولہ خارج ہوا اور میری رائٹنگ ٹیبل سے جا ٹکرا رائٹنگ ٹیبل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی پھر ایک انگوٹھی اچھل کر عین میرے سامنے آ گئی یہ وہی انگوٹھی تھی جو مجھے کراچی میں پراسرار حالات میں ملی تھی اور حکم دیا گیا تھا کہ اسے گھر جا کر رکھ دوں اور جیسے ہی دوبارہ نظر آئے پہن لوں یہ تمام منظر میں جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مگر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ دہشت ناک ناولوں کا مصنف خود اپنی زندگی کا دہشت ناک اور نا قابل منظر دیکھ رہا تھا پھر اچانک ندیم عباس کی آواز ابھری ''انکل یہ انگوٹھی پہنیے''

مجھے جھٹکا سا لگا میں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا اچانک بلا تیزی سے اس انگوٹھی کی طرف جھپٹی مگر اس کے انگوٹھی تک پہنچنے سے پہلے ہی ندیم عباس نے اپنا دایاں باوزور سے ہوا میں گھمایا بلا ایک جھٹکے سے گھومی اور حیدر جی کے ڈرائنگ روم کی مغربی دیوار سے جا ٹکرائی

ندیم عباس ایک مرتبہ پھر چلایا انکل جلدی کیجئے ''انگوٹھی پہن لیجئے''

مجھے اور میری سوچ کو ایک جھٹکا پھر لگا میں سوچ تو کچھ نہ سکا مگر انگوٹھی کو جلدی سے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت میں پہن لیا میرے انگوٹھی پہنتے ہی بلا زور سے گرائی مگر اس مرتبہ شارق کے چہرے پر اطمینان تھا شارق نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر اپنی جانب کھینچا بلا کسی نادیدہ قوت کے زیر اثر اس کی سمت کھنچتی چلی آئی ندیم عباس نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر آہستہ سے الگ کر دیا بلا اب بے حس و حرکت کھڑی تھی وہ مسلسل ندیم عباس کی طرف دیکھ کر غرا رہی تھیں ندیم عباس اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا میں نے کہا تھا نہ اب ہماری آخری ملاقات ہو گئی اور میں تیری موت کا راز ساتھ لے کر آؤں گا اور پھر وہ میرے پاس آیا میری کرسی سیدھی کی اور مجھ سے بولا

''اب آپ اپنا ناول مکمل کریں۔''

کیا مطلب میں نے پوچھا جی دراصل آپ کے قلم سے جو کچھ نکل رہا ہے آپ کی عزیز ترین دوستی یعنی میرے والد صاحب کے کنبے اور ان کے عزیز و اقارب رپ وہی کچھ بیت رہا ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

کیا مطلب میں نے کہا میرے علاوہ باقی ہوش والوں کا بھی یہی حال تھا جی ہاں

ندیم عباس بولا یہ سب کیسے ہوا یہ میں آپ کو بعد میں بتادوں گا فی الحال آپ ڈراپ سین کریں ناول کا

میری سمجھ میں شاید کچھ آیا اور شاید کچھ نہ آیا مگر میں ناول کا مسودہ مکمل کرنے بیٹھ گیا میں نے لکھا

ندیم عباس نے ہاتھ بلند کیا اور منہ سے میں کچھ پڑھا اچانک اس کے ہاتھ میں ایک تلوار آ گئی

اگلے لمحے میں اور سب گھر والے جو میری میز کے گرد کھڑے تھے سب کے سب حیران رہ گئے جیسا میں نے لکھا شارق نے ویسا ہی کیا اس کے ہاتھ میں واقعی تلوار آ گئی تھی میں آگے لکھنے بیٹھ گیا

ندیم عباس نے تلوار بلا پر پھینکی جو اسکے سینے میں اتر گئی ندیم عباس کیطرف دیکھا تو وہ واقعی ایسا کر رہا تھا تلوار بلا کے سینے میں اتر چکی تھی اسکے غراہٹ سے لبریز چیخیں بلند ہو رہی تھیں مجھے اپنے آپ پر یقین نہیں آ رہا تھا

میں نے لکھا، تلوار خود بخود گھوم گھوم کر بلا کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی ابھی میں نے اتنا ہی لکھا تھا کہ مجھے بلا کی دردناک چیخیں سنائی دیں میں نے اس کی جانب دیکھا تو چکرا کر رہ گیا میرا لکھا ہوا ایک لفظ عملی صورت اختیار کر رہا تھا بلا کے ٹکڑے ہوا میں رقصاں تھے پھر شاہین نے ان پر کچھ پڑھ کر پھونکا اچانک ان ٹکڑوں کو آگ لگ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم راکھ میں تبدیل ہونے لگا کمرے میں موت کا سناٹا چھا گیا تھا اگر کچھ تھا تو حیدر جی کے رشتہ داروں کی دہشت زدہ لاشیں یا پھر نار جن کے جلے ہوئے گوشت کی بدبو۔

جن جو آگ کی پوجا کرتا تھا آج آگ ہی نے اسکے وجود کو چاٹ لیا تھا اس کے مرتے ہی اس کا جادو کا کھیل ختم ہو گیا جلتی ہوتی چھت پھر سے پرانی حالت میں لوٹ آئی میخوں سے جکڑا ہوئی شاہین دھڑام سے نیچے آن گرا تھا

ڈرائنگ روم میں مکمل اندھیرا تھا صرف میرے کمرے کی ہلکی ہلکی روشنی تھی جو اندھیرے کی چادر میں چھید کر رہی تھی سب سے بڑی حیرت کی بات یہ تھی کہ خود میرے گھر والوں کو بھی ابھی تک اس واقعے کی اطلاع نہ تھی

جن فنا ہو چکا تھا سب حیرت اور افسوس کی وجہ سے دم بخود تھے سب سے زیادہ حیرت کا شکار میں خود تھا جوں ہی کچھ اوسان بحال ہوئے میں نے شارق کو گھیر لیا اور حقیقت حال پوچھنے بیٹھ گیا بتاؤ یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے

وہی ہے انکل جو آپ دیکھ رہے ہیں شارق اطمینان سے بولا آپ کے قلم سے نکلنے والا ایک ایک لفظ ہم لوگوں پر ٹوٹنے والی قیامت کا قلم تھا سمجھ تو میں پہلے ہی چکا تھا مگر ندیم عباس کے جواب نے میرے شک کی تصدیق کر دی تھی شبہ کی اب کوئی گنجائش نہیں تھی

میرے دماغ میں آندھیاں چلنے لگیں میں اپنی قلم کی طاقت سے بے خبر ہو کر ظلم کا بازار گرم کئے بیٹھا تھا میں اپنے آپ کو حیدر جی عزیزوں اور ان کے گھرانے کی تباہی کا ذمہ دار تصور کر رہا تھا اپنے ناول نگاری کی جنوں میں ان رہا تھا شرم سے میری نگاہیں زمین میں گڑھی ہوئی تھیں جی چاہتا تھا زمین شق ہو جائے اور میں اس میں سما جاؤں میں اس گھڑی کو کوس رہا تھا جب میں نے اپنے ناول کے لیے اس گھرانے کے افراد کا انتخاب کیا احساس جرم سے میرا جی مر جانے کو چاہ رہا تھا میری حالت دیکھ کر ندیم عباس مسکرا اٹھا

وہ بولا آپ شرمندہ نہ ہوں انکل آپ کا کوئی قصور نہیں آپ کو شیطانی طاقتوں نے اپنا آلہ کار بنا رکھا تھا آپ کے قلم میں آپ کی سوچ نہیں بلکہ نار جن کی طاقت رواں دواں تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ آپ کے ذریعے اپنے گھناؤنے مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا جو کچھ آپ لکھتے نارجن کی سوچ کا عکس ہوتا تھا آپ کے قلم سے جو کچھ نکلتا وہ نارجن کا حکم ہوتا نارجن کی سو سالہ عبادت کا نچوڑ آپ کے قلم کے ذریعے صفحوں پر منتقل ہو رہا تھا وہ مجھ سے واقف تھا کہ میں اسے اس کے گھناؤنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا اس نے میرے مقابلے کے لیے اندھیر کی طاقتوں کو پکارا اور اندھیرے کی طاقتوں نے اس کی دن رات کی لگن سے مجبور ہو کر اسے آپ کے قلم کا ہتھیار فراہم کر دیا ہماری حالت آپ کے قلم کی جنبش قرار پائی اس نے جو مقصد حاصل کرنا ہوتا آپ سے مسودے پر تحریر کروالیتی مگر میں یہاں بھی اس کی راہ میں حائل تھا اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کے طفیل ملنے والی قوت ایمانی سے اس کے شر کا مقابلہ کرتا رہا آپ نے جتنے بھی جوابی وار لکھے وہ سب اسی قوت ایمانی پر مشتمل تھے آپ اس تمام قصے کو اپنے تصور اور دماغ کا کرشمہ سمجھ رہے تھے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اس کہانی میں آپ کا لکھا ہوا ایک لفظ بھی آپ کا اپنا نہیں آپ نے وہی لکھا جو میں نے یا نارجن نے لکھوایا

یہ جن کی آخری کوشش تھی شامین بہن کو حاصل کرنے کے لیے جس میں وہ ناکام ہو گیا

یہ حقائق سن کر حیدر جی بولے اس طرح تو تم بہت پہلے اسکا خاتمہ کر سکتے تھے نہیں شارق بولا

یہی تو مشکل تھا انکل کے قلم میں تاثیر رکھنے کے لیے اندھیرے کی طاقتوں نے نارجن کو انکل میں حلول کر دیا تھا اگر جن کو کوئی نقصان پہنچتا تو دراصل وہ نقصان انکل کو پہنچتا یہی وجہ تھی کہ میں نے انکل کو بے خبر رکھا ورنہ وہ اگر جن کے خلاف کچھ لکھتے تو خود ان کی ذات کو نقصان پہنچتا مگر آج جن کیسے فنا ہو گیا مین بے تاب ہو کر بولا شارق گہری آواز میں بولا

جب میں نے پہلی بار جن کو اپنے گھر میں دیکھا تو ایک لمحے کے لیے ٹھٹک گیا

وہ باجی کے اس قدر قریب آ چکا تھا کہ شاید میری ایک لمحے کی تاخیر اسے باجی کے وجود کا حصہ بنا دیتا

لہذا میں نے دن رات کی ریاضت سے پتہ چلایا کہ یہ کون ہے کیا چاہتا ہے کہاں سے آیا ہے اور اس کے شر کی کہاں سے مانیٹر ہو رہا ہے یہاں تیک کہ میں سب کچھ جان گیا

پھر مین نے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی اے اللہ! مجھے کوئی ایسی راہ دکھا جس سے اس بلا کا شر ختم ہو اور سب لوگ بخیریت رہیں مجھے بتایا گیا تھا کہ اس انگوٹھی کے پہننے کے بعد مصنف کی روح نارجن سے جدا ہو جائے گی اس صورت میں ہر لفظ نارجن کے خلاف جائے گا اور وہ اس کا اختتام ہو گا پچھلے ایک ہفتہ سے میں انگوٹھی تک رسائی کی اجازت طلب کر رہا تھا پھر یہ بھی کہ انگوٹھی آپ تک پہنچے گی کیسے؟

اللہ نے میری تمام مشکلات آسان کر دیں مجھے جوں ہی پتہ ملا کہ انگوٹھی مطلوبہ شخص تک پہنچ گئی ہے میں فوراً یہاں آن پہنچا

نارجن انگوٹھی کے بارے میں جان چکا تھا اس لیے اس نے میرے پہنچے سے پہلے ہی آپ لوگوں پر حملہ کر دیا لیکن اب سب کچھ ختم ہو گیا ہے اس کا جادو ایک سراب تھا ایک دھوکہ تھا ہم لوگ اسے حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں دراصل یہ حقیقت نہیں ہوتا یہ ہمارے ایمان کے ضعف کی نشانی ہے

کاش ہم لوگوں کا ایمان اتنا مضبوط ہوتا جتنا تمہارا ہے شامین نے سسکتے ہوئے کہا! آج ہمارے عزیزوں کی دہشت ناک لاشیں ہمارے سامنے نہ پڑی ہوتیں

ندیم عباس اسکی بات سن کر مسکرا دیا سب اس کی ہنسی دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے وہ اطمینان سے میرے پاس آیا اور میز سے میرا مسودہ اٹھا کر بولا آ ہے

ہم سب ادھر چلیں سب لوگ اس کی تقلید میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے پھر ندیم عباس مجھ سے گویا ہوا

Downloaded from https://paksociety.com

آپ کا تھوڑا سا نقصان کرنے کی اجازات چاہیے میں سمجھا تو کچھ نہ مگر اثبات میں سر ہلا دیا ندیم عباس نے تمام کاغذ زمین پر گرائے اور جلتی ہوئی دیا سلائی ان پر گرادی کاغذوں نے ایک دم آگ پکڑ لی ایسا لگتا تھا جیسے ان پر آتش گیر مادہ چھڑک دیا گیا ہو ان سے اٹھنے والا دھواں یکا یک پورے کمرے میں پھیل گیا

کثیف دھواں نے ہر چیز کو ڈھانپ لیا ایک لمحے کے لیے سب پھر گھبرا گئے کہ کہیں اور کوئی قیامت نہ آ جائے مگر اس بار تبدیلی انتہائی پر مسرت تھی

کمرے میں ہر چیز اپنی قدرتی حالت میں تھی الماریوں کے شیشے گرے ہوئے برتن سب کچھ پہلے کی مانند تھے

سب سے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ جن لوگوں کو نارجن نے قتل کیا تھا وہ سب کے سب ہوش میں آ چکے تھے امبر کے بازو اور قمر کا دل بھی ٹھیک ٹھاک تھا سب لوگ کھلکھلا کر ہنس رہے تھے اس جھوٹے ناول کے ساتھ ہی نارجن کے دھوکے کا انجام بھی ہو گیا نارجن تم اپنی بازی ہار گئے میں نے کہا تھا ناں کہ آخری ملاقات کے بعد ہم میں سے صرف ایک بچے گا سب لوگ اللہ کے سامنے سربسجود تھے۔ ہر کوئی شارق کو پیار کر رہا تھا اور تو اور میں بھی اس کام میں پیچھے نہ رہا سب نے مل کر چائے پی۔ اس کے بعد میں وہاں سے رخصت ہوا۔ ندیم عباس مجھے چھوڑنے کے لیے میرے ساتھ باہر آیا لان میں گذرتے ہوئے ایک سریلی آواز آئی فتح مبارک میں چونک کر ادھر مڑا اور خوف اور حیرت سے اچھل پڑا نارجن اپنی تمام تر حشر سامانیوں اور حسن کے ساتھ موجود تھا مجھے اپنے اندر ہل چل محسوس ہونے لگی نفرت اور دہشت سے میرا وجود کانپ رہا تھا

ندیم عباس میرے اندر اٹھنے والے طوفان کو بھانپ کر بولا گھبرائیں نہیں انکل یہ اپنی شکست تسلیم کرنے آیا ہے

مگر یہ زندہ کیسے ہے اس بار نارجن مخاطب ہوا

ہم سب اس جھوٹے ناول کے کردار تھے ناول کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہو گیا جھوٹا جادو بھی

تم جیت گئے ندیم عباس میں نے اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں تم جانتے ہو کہ میں اب بے ضرر ہوں میں نے شامین کو ٹوٹ کر چاہا ہے میری تم سے درخواست ہے کہ ایک بار صرف ایک بار مجھے شامین سے مل لینے دو میرے چہرے پر خوف و خدشات کی لکیریں ابھرنے لگیں مگر ندیم عباس بولا آؤ انکل اندر چلیں اس کو شامین سے مل لینے دو

شامین اور صائم نارجن کے سامنے کھڑے تھے نار کی التجا آمیز نظروں کو دیکھ کر صائم خاموش رہا

شامین میں نے تمہیں ٹوٹ کر چاہا تنا چاہا کہ شاید اگر خدا کو چاہتا تو مل جاتا تم میری پہلی اور آخری چاہت تھیں

میری محبت تمہارے ساتھ پل کر جوان ہوئی تھی تمہارے لیے میں اپنی دنیا چھوڑ آیا

تمہیں صائم سے وابستہ دیکھا تو دل میں ایک جلن پیدا ہوئی نا جانے محبت میں میں کس توحید کی قائل تھا معبود تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن یہ تو ضروری نہیں کہ پوجاری بھی ایک شاید محبت اور بندگی میں یہی فرق ہوتا ہے میں تمہیں پانے کے لیے سب کچھ کر گزرنے پر تیار تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ امیر وجود آگ ہے اور تمہارا وجود مٹی ہم کبھی ایک نہیں ہو پائیں گے میری چاہت تمہیں چاند کی طرح پانے پر مصر تھی مجھے ہر اس شخص سے نفرت ہونے لگی جو تمہیں چاہتا تھا مجھے صرف یہی اطمینان تھا کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

ناخدا ہی ملا نہ وصال صنم تم مجھ سے جتنی نفرت کرتے ہوئے میری محبت اتنی ہی بڑھتی چلی جاتی ہے آج میں اس حالت میں ہوں کہ تمہاری دنیا مجھے جینے نہیں دیتی اور میری دنیا مجھے مرنے نہیں دیتی۔

☆.....☆.....☆

مجھے معاف کر دینا شاہین میں تمہیں پانے کے جنون کے اخلاق کے معیار سیا تنا گر گیا ہوں کہ میرا سر اٹھانا بھی مشکل ہے اس کی رندھی ہوئی آواز اور لہجے کی پختگی اس کے جذبوں کو صداقت کی گواہی دے رہی تھیں

نا جانے کیوں شاہین کا دل برف کی طرح پگھلنے لگا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں تھا وہ گلوگیر آواز میں نار مخاطب ہوئی

سنو نار مجھے آج تک تم سے جتنی نفرت تھی سب کی سب تمہارے آنسوؤں میں بہہ گئی ہے میں تم سے یہ تو نہیں کہوں گی کہ میں تم سے صائم جیسی محبت کرتی ہوں لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ میرے دل تمہارے لیے صائم سے زیادہ عقیدت پیدا ہو گئی ہے

کاش! ایسا ہو سکتا کہ دل میں بیک وقت دو لوگوں کی محبت رہ سکتی تو میرا دوسرا انتخاب تم ہی ہوتیں

تم جانتا ہو کہ تم اور میں ایک خمیر سے عبارت نہیں ہمارا ملن ناممکن ہے مگر شاید تمہاری کمی مجھے ہمیشہ محسوس ہو

شاہین میں نے صائم کے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں شاید وہ مجھے کبھی معاف نہ کرے مگر ہو سکے تو اسے کہنا کہ مجھے معاف کر دے شاید میرے بے چین ضمیر کو کچھ سکون حاصل ہو جائے

صائم جو نا جانے کب سے دروازے کی اوٹ میں کھڑا اس درد بھرے منظر کو دیکھ رہا تھا آگے بڑھا اسکے اپنی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے وہ نار سے مخاطب ہوا

نار میں جانتا ہوں کہ عشق کیا ہوتا ہے لیکن جذبوں کی صداقت جو آج تمہارے الفاظ سے ثابت ہو رہی ہے میں اس سے نا آشنا تھا میں نے تمہیں معاف کیا اگر میری وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف ہوئی ہو تو مجھے معاف کر دینا اگر تم ہماری دنیا کا باس ہوتیں تو شاید میں شاہین تمہیں دے دیتا کیونکہ تمہاری محبت سے کئی گنا زیادہ ہے میں تمہاری محبت کو سلام کرتا ہوں

پھر نار جن شاہین سے مخاطب ہوا

شاہین میرے پاس وقت کم ہے مجھے اپنی دنیا میں واپس لوٹنا ہے تم صائم کو فوراً اپنا لو اور یاد رکھنا اسے کبھی کوئی دکھ نہ دینا اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں سزا دینے کے لیے مجھے کسی شاہان کی ضرورت نہیں ہو گی

پھر پہلی مرتبہ تینوں کھلکھلا کر ہنس دیے

حیدر جی ندیم عباس اور سبھی لوگ ایک دم باہر نکل آئے لیکن سب کے چہروں پر اطمینان تھا

پھر نار مجھ سے مخاطب ہوا

مصنف تم نے میری بہت مدد کی، نفرت کی جنگ تو میں ہار گیا لیکن محبت کی بازی میرے ہی ہاتھ آئی آج پہلی بار مجھے وہ سکون اور خوشی حاصل ہوئی جسکا تصور ہی زندہ رہنے کے لیے کافی ہے تم بھی مجھے معاف کر دینا۔

Downloaded from https://paksociety.com

پھر نار ندیم عباس سے مخاطب ہوئی

ندیم عباس دیکھو تمہاری باجی نے میری روح کو قبول کر لیا ہے آج سے تم مجھ قبول کرو گا یا نہیں۔ندیم عباس بولا نار آج تمہاری روح سے بدصورتی نکل گئی ہے اس لیے میں تمہیں اس حیثیت میں قبول کرتا ہوں

ایک بات اور یاد رکھنا کہ ہم واحدہ لاشریک کے ماننے والے ہیں اور اس واحدہ لاشریک کی طاقت تم دیکھ چکا ہو ہو سکے تو اپنے عقیدے کی اصلاح ضرور کرنا کیونکہ ہر طاقت اس عظیم طاقت کے سامنے گھٹنے ٹیکتی ہے

ندیم عباس میں تمہاری نصیحت پر ضرور عمل کروں گی

پھر نار جن نے حسرت بھری نگاہ سے سب لوگوں کو دیکھا اور ہوا میں تحلیل ہو گئی شاید اس کے جانے پر آج پہلی بار ہر آنکھ اشکبار ہوئی تھی

ہواؤں میں ایک خوشبو کا احساس تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نار جن کی پاکیزہ روح پھولوں میں حلول کر گئی ہو

میں شاہان جس نے ایک سے بڑھ کر ایک خوفناک ناول لکھا تھا آج پہلی مرتبہ خود کردار بن گیا تھا۔

.....☆.....

محمد خالد شاہان لوہار۔صادق آباد 0334. 7284018

shahanjee007@yahoo.com

نیو ڈائمنڈ فرنیچر شوروم نہر کنارہ محلّہ حسین آباد بالمقابل امام بارگاہ نزد ڈاکٹر احسان کیساتھ صادق آباد ضلع رحیم یار خان

شاہین ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے بھرپور فرمائش پر ماہ فروری کے شمارے سے مسائل کا قرآنی آیات کی روشنی میں حل کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔اس کے علاوہ مرد و خواتین کے پوشیدہ و ظاہری امراض، نامردی، اولاد کا نہ ہونا یا ہو کر مر جانا، مرگی، کینسر، یرقان اور دیگر بیماریوں سے متعلق بھی آگاہی ملے گی۔دیر مت کیجئے آج ہی اپنے مسائل ہمیں بذریعہ ایس ایم ایس، ای میل یا ہاتھ سے لکھ کر پوسٹ کیجئے تاکہ ہمارے معزز صوفی اے بی شاہین صاحب آپ کے مسائل کا حل تجویز کر کے آپ کو آگاہ کریں۔شکریہ۔

ملک این اے کاوش اعوان

الدیوان چارپائی سٹور کچہری موڑ تحصیل سلانوالی، سرگودہا، پنجاب پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

بیت بازی

قارئین

مجھے کیاحق کسی کومطلبی کہوں
میں توخوداپنے رب کومصیبت میں یادکرتاہوں
محمدسفیان

خریدسکتے اگراس کاساتھ توزندگی بیچ کرخریدلیتے
مگرافسوس محبت قیمت سے نہیں،قسمت سے ملتی ہے
اشتیاق احمد.....شکرگڑھ

اک رسمی ساتعلق ہے میراسانسوں سے
اورمجھے رسم نبھانے سے بڑی الجھن ہے۔
علی حیدرحسنین.....بورے والا

یہ خندہ لبی ایک اعجازہے
یقینِ وفادل کوآجائے ہے
نادرملک.....سیالکوٹ

یادآئے ہیں تم کوہم شاید
پھیکاپھیکاہے رنگ کاجل کا
فرحت مصطفیٰ.....کوئٹہ

یوں تری یادمرے چاک جگرسے گزرے
جس طرح تندہواکنج شجرسے گزرے
افتخارسعید.....لاڑکانہ

یہ اوربات کہ تقدیرہوگئی قابل
وگرنہ دیدۂ بیدارہم بھی رکھتے ہیں
شہناز شیخ.....منڈی بہاؤالدین

یاس احساس کے دامن سے لپٹ جاتی ہے
عجزہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا
بھگوان داس گوتم مل.....سکرنڈ

ہرایک چہرے کوزخموں کاآئینہ نہ کہو
یہ زندگی ہے رحمت اسے سزانہ کہو
ناہیدعمر.....بکھر

ہم توسمجھے تھے کہ دشمن پہ اٹھایاخنجر
تم نے جاناکہ ہمی تم میں ہیں مرنے والے
زاہدخان خٹک.....راولپنڈی

مے کشی کی بھی سزاہے خودکشی کی بھی سزاہے
کون کس مشکل میں ہے یہ دیکھتاکوئی نہیں
ندیم عباس.....پتوکی

میں نے جھیلاہے گلے مل کے بچھڑنے کاعذاب
میرے معبودکسی کویہ سزامت دینا
اقصیٰ پیاسحر.....گجرات

Downloaded from https://paksociety.com

بیت بازی

قارئین

ظلم ہو تیغ ہو تیشہ کہ ڈھال مت چھینو
کبھی کسی کسی کا کمال مت چھینو
ابھی بجھاؤ نہ کینڈل نہ کیک کاٹو ابھی
کچھ اور دیر میرا پچھلا سال مت چھینو

ظل حسنین.....سلانوالی، سرگودہا

آئے نہ یار وہم کو بھی آدابِ رخصتی
وہ جا چکا تو بعد میں ہم چشمِ نم ہوئے

زین حسن.....سلانوالی، سرگودہا

طلسمِ خوابِ زلیخا و دامِ بردہ فروش
ہزار طرح کے قصے سفر میں ہوتے ہیں

شہریار اسلم.....سلانوالی، سرگودہا

تمہیں خبر ہی نہیں ہے کہ کوئی ٹوٹ گیا
محبتوں کو بہت پائیدار کرتے ہوئے

مصطفیٰ کمال.....فروکہ، سلانوالی

جان دینے کی اجازت بھی نہیں دیتے ہو
ورنہ مرجائیں ابھی مرکے منالیں تم کو

سید عبادت کاظمی.....رحیم یار خان

یہ مانا کوئی ہنگامہ نہیں ان کے مقدر میں
مگر اک گونج سناٹوں کی ویرانوں کے ہاتھ آئی

ارتضیٰ حسن.....میر پور خاص

یہ محبت یہ محبت کا زوال
دیکھ دریا ہے کنارے کو سنبھال

خلیل نواز.....منکیرہ

یہ کس خلش نے پھر دل میں آشیانہ کیا
پھر آج کس نے سخن ہم سے غائبانہ کیا

نوشین سید.....کراچی

محبت کا اثر ہونے لگا ہے
ترا چہرہ قمر ہونے لگا ہے
اندھیرا بڑھ رہا ہے سانپ بن کر
سفر نامعتبر ہونے لگا ہے

افضال حسین بابر.....کراچی

ڈوبتے ہم نہ محبت کے بھنور میں ہرگز
گر پتا ہوتا ہمیں درد کی گہرائی کا

نسیم شفیق.....اسلام آباد

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

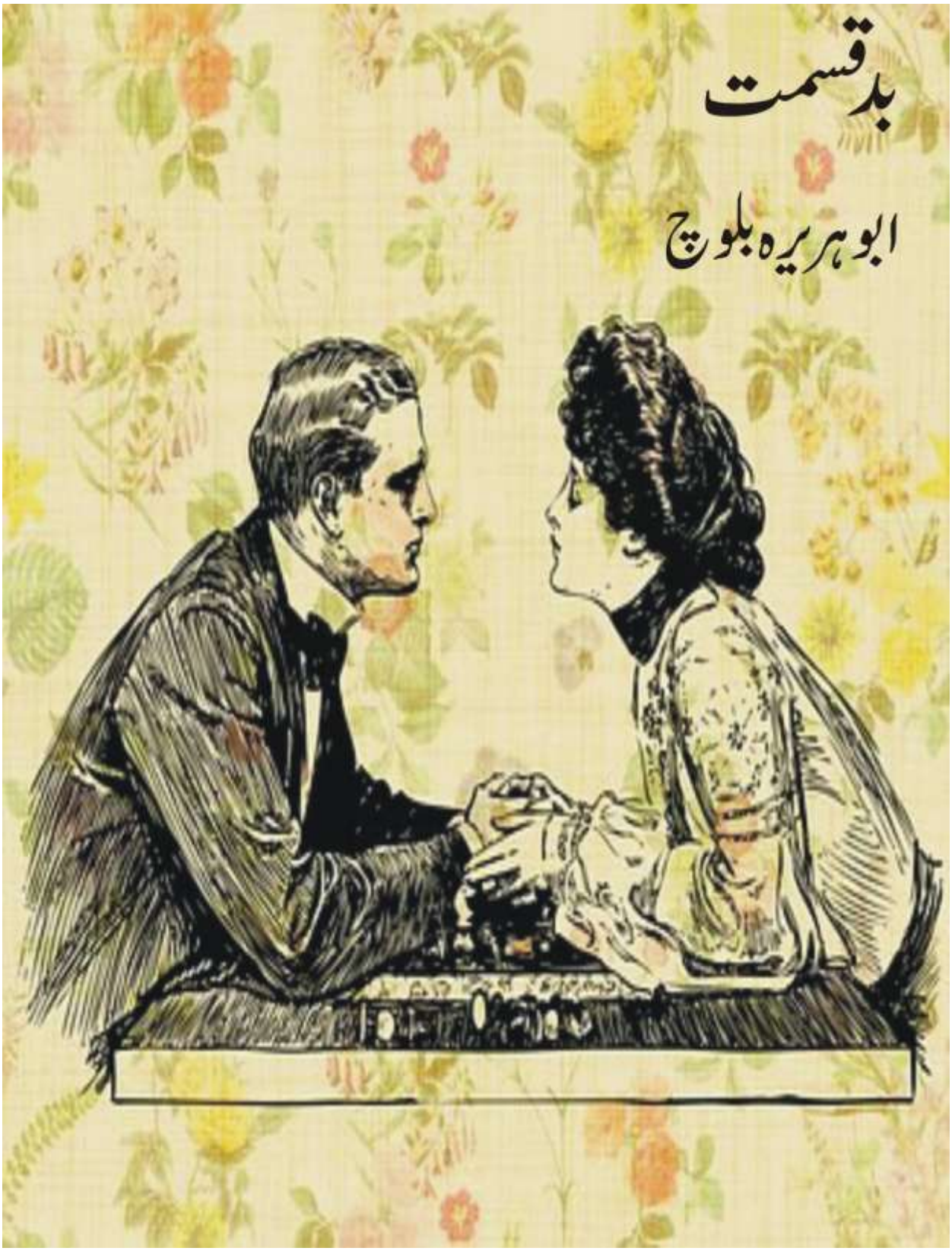

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

بدقسمت

محمد ابوہریرہ بلوچ...... بہاولنگر
0308-6232271

بہاولنگر بس سٹاپ پر کھڑی اس دوشیزہ نے سب راہ گیروں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ وہ اتنی خوبصورت تو نہیں تھی کہ اسے مصری حسینہ قلوپطرہ کے حسن کے مقابلے میں بطور تمثیل پیش کیا جاسکتا لیکن ہاں اس کے مصنوعی اور شاہد پارلر کے سبب کا وقتی حسن اس لائق تھا کہ اسے دیکھا جاتا یا چند تعریفی کلمات اس کی نذر کیے جاتے۔ جسم پر زیب تن کی ہوئی سرخ ریشمی فراک اور چوڑی دار پاجامے نے اس کی شخصیت کو مزید نکھار دیا تھا۔ تبھی تو منچلوں کا ایک جم غفیر اس کے نشیب وفراز کو دیکھ کر جذبات کی آگ کو ہوا دے رہے تھے۔

اس کے ہاتھ میں پکڑے **I Phone** کو دیکھ کر ہی میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی رئیس زادی ہے لیکن حرکات وسکنات کے اعتبار سے آزاد خیال...... میں وہاں اڈے پر ایک ہفتہ کی چھٹیاں گزار کر دوبارہ تعلیمی سرگرمیوں کی شروعات کے لیے اپنے جامعہ جانے کے ارادے سے کھڑا تھا۔ میں شاید اس لڑکی کے بارے میں مزید کسی نتیجہ پر پہنچتا لیکن ایک بیس بائیس برس کا جواں سالہ لڑکا ہم دونوں کے درمیان آ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے نگاہیں نیچی کرلیں۔ میرے دل میں کسی دانا آدمی کا قول گردش کرنے لگا۔

''خوبصورت عورتیں نوجوان لڑکوں کو لبھانے کیلئے شیطان کے کارآمد جال ہیں جن سے وہ جب چاہے جہاں چاہے جس کو چاہے زیر کر کے راہ راست سے گمراہ کرسکتا ہے۔ مگر سوائے ان چند لوگوں کے جن پر خدا کا خاص فضل ہو......''

اس نوجوان نے ایک نظر لڑکی کو مسکرا کر دیکھا اور پھر جیب سے اپنا سستا سا موبائل فون نکال کر ایک نمبر ڈائل کیا اور موبائل کو دائیں کان سے لگالیا۔

''جی بھائی میں آڑھتی سے ستر ہزار روپے لے کر آرہا ہوں جو اس وقت میرے پاس ہیں۔'' وہ نوجوان کسی سے گویا ہوا۔ دوسری طرف سے شاید اس نوجوان کی بے عزتی ہوئی تھی۔ تبھی وہ معصومیت سے دوبارہ گویا ہوا:

''جی ہاں میں نے کہا تھا کہ اتنے پیسوں سے ہم کام نہیں شروع کرسکتے لیکن اس نے معذرت کرتے ہوئے خود پر واقع ایک آسمانی حادثے کو بطور عذر پیش کردیا کہ جس میں اس کا اکثر سرمایہ ضائع ہوگیا۔ پھر بھی اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ جلد باقی پیسے بھی دے گا۔ بھائی اس کی حالتِ زار دیکھ کر میں نے اسے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا اور درگزر کر گیا۔ مجھے یقین ہے کہ باقی روپوں کو لوٹانے کا وعدہ وہ جلد ہی پورا کرے گا...... باقی باتیں آ کر میں آپ کو بتاؤں گا فی الحال بس سٹاپ پر موجود ہوں۔''

اتنا کہہ کر اس لڑکے نے کال منقطع کردی۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے کن آنکھوں سے دیکھا کہ جب نوجوان نے ستر ہزار کا لفظ منہ سے نکالا تھا تو اس لڑکی کی حالت میں کچھ بدلاؤ سا آ گیا تھا۔اس نے اپنی اداؤں کے چبھتے تیر لڑکے پر براہِ راست چلانے شروع کر دیئے۔جن سے وہ کافی زخمی ہوا تھا۔اب ان کے درمیان میں نے نگاہوں کے تصادم کو بغور دیکھا تھا۔

گاڑی آ چکی تھی۔میں نے اپنے سفری بیگ کو کندھے سے لٹکایا اور گاڑی کی جانب بڑھا تا کہ سیٹ مل سکے۔ٹکٹ میں پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔میں نے بیگ کو گاڑی کی چھت پر رکھوا دیا اور اندر جا کر تین سیٹوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔باہر جھانک کر میں نے اس لڑکی کو دیکھنا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ پر نہیں تھی۔بے دلی سے وقت گزاری کے لیے میں نے ایم اے راحت کا ناول نکال لیا.....

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں.....؟''ایک انجان آواز نے میری سماعت پر دستک دی۔تو میں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔

میری حیرت ہویدہ رہ گئی کیونکہ میرے سامنے وہی نوجوان دوشیزہ ایستادہ تھی جو کچھ دیر قبل اس لڑکے پر اپنی ادائیں نچھاور کر رہی تھی۔میں کھسک کر کھڑکی کے پاس ہو گیا۔

''جی ضرور.....''

وہ اپنا پرس گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔اس کے بعد پینتالیس کلومیٹر اس کی قربت کی نظر ہو نگے۔نجانے کتنے ہی خوشگوار خیال میرے دل و دماغ پر حاوی ہونے لگے تھے۔لیکن جلد ہی میری خوشی نیست و نابود ہو گئی جب میں نے اسی دیہاتی کو گاڑی میں چڑھتے دیکھا جس کے ساتھ یہ لڑکی آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔وہ لڑکا ادھر ادھر دیکھنے لگا تو اس لڑکی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بلایا۔وہ لڑکا پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

''یہاں تشریف رکھیئے ناں پلیز.....''

وہ لڑکا اس کی اس کرم نوازی پر پھولے نہ سما پا رہا تھا۔کنڈکٹر نے دخل اندازی کرتے ہوئے اس دوسری سیٹ دینا چاہی کہ''میڈم آپ وہاں تشریف لے جائیں لیڈیز کے ساتھ سیٹ خالی ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''جواباً لڑکی نے یہ کہہ کر اس کی بولتی بند کر دی کہ ''میں ہاں ٹھیک ہوں۔''

لڑکا ہم دونوں کے درمیان آ کر بیٹھا تھا۔ وہ کباب میں ہڈی کیا بنا نجانے میں نے دل ہی دل میں اسے کتنی سناڈالیں۔ ویسے بھی اس کے علاوہ میں کر ہی کیا سکتا تھا۔ وقت گزاری کے لیے میں نے ایک بار پھر ناول نکالا اور ورق گردانی شروع کر دی لیکن اب کی بار میری توجہ ناول کی طرف بالکل نہ تھی۔ ناول کا مطالعہ کرنے میں مجھے رتی برابر مزہ نہ آ رہا تھا۔ بس یہ خود کو بہلانے کی ایک ناکام سی کوشش تھی۔ سفر شروع ہو چکا تھا۔ میری سوچ میں اب بھی وہ دونوں ہی اٹکے ہوئے تھے۔ میں نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے ناول بند کیا اور شیشہ کھول کر باہر کی ٹھنڈی ہوا سے اپنے غصے کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی سعی کرنے لگا۔

''سب کچھ انسان کی سوچ کے برعکس ہی کیوں ہوتا ہے؟''

میں نے ذہن کو ان کی طرف سے ہٹا کر باہر کے منظر پر لگا دیا اور اس میں میں کافی حد تک کامیاب بھی ہو گیا۔ تیزی سے بدلتے ہوئے خوبصورت مناظر نے اس میں میری کافی مدد کی تھی۔ لیکن ''ٹکٹ'' کی آواز کے ساتھ ہی میں دوبارہ اس خیالاتی دنیا سے نکل آیا۔ جہاں ساتھ بیٹھے اس جوڑے کے لیے بالکل جگہ نہ تھی۔

کنڈکٹر ہاتھ میں ٹکٹ بک لیے کرائے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ میں نے ٹکٹ چیک کروانے کے بعد میں نے ایک ناگوار سی نگاہ ان دونوں پر ڈالی۔ اب ان دونوں کے درمیان اجنبیت نہ رہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھے تھے.....واہ کیا بات ہے اتنے کم وقت میں اتنی جان پہچان بھی بنالی کہ بات اس حد تک پہنچ گئی۔''

میں دل ہی دل میں گویا ہوا۔ وہ لڑکا تھوڑا کنفیوژ بھی تھا کہ اتنے مختصر وقت میں اسے ساتھی مل گیا تھا۔ اور وہ بھی اس قدر مہربان۔ میں نے مسکراتے ہوئے دوبارہ ان سے نظریں ہٹالیں۔ اب بھلا میں ان کے پیٹ میں کیا لات مارتا۔ میں ایک بار پھر باہر کے خوبصورت مناظر دیکھنے میں مگن ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے دوبارہ ان دونوں کی طرف دیکھا تو اگلا منظر دیکھ کر مجھے یقین نہ ہوا۔ اب اس لڑکی کا ہاتھ لڑکے کی ران سہلاتے ہوئے آگے پیچھے حرکت کر رہا تھا اور لڑکا مدہوشی اور لذت کی کیفیت سے سرشار آنکھیں بند کیے مزے کی دنیا کی سیر کر رہا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس کی عدم موجودگی میں میری بھی شاید یہی حالت ہوتی اور میں بھی چاہ کر اس کا شاید نہ روک پاتا.....لڑکی دس منٹ تک اسے مزے کی دنیا کی سیر کرواتی رہی۔ میں متواتر کن اکھیوں سے یہ سارا منظر دیکھتا رہا۔

گاڑی ایک سٹاپ پر رکی تو لڑکی اسے معذرت کرتے ہوئے اور ایک کاغذ پکڑاتے ہوئے اتر گئی۔ یہ ضرور اس کا موبائل نمبر ہوگا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ گاڑی ایک بار پھر اپنی منزل کی جانب گامزن ہوگئی۔

تھوڑی دیر بعد میرا بھی سٹاپ آ گیا۔ جب میں نے اسے معذرت کرتے ہوئے تھوڑا راستہ مانگا تو اس نے کہا کہ وہ بھی اسی سٹاپ پر اترے گا۔ ہم دونوں گاڑی سے نیچے اترے۔ کنڈکٹر نے گاڑی کی چھت پر رکھا میرا بیگ اٹھا کر مجھے تھمایا۔ اس سے قبل کہ میں بیگ اٹھا کر اپنی منزل کی طرف بڑھتا یکبارگی شور وغل پیدا ہوا تو میں نے مڑ کر دیکھا۔

لڑکا اپنا سر پکڑ کر چیخ و پکار کر رہا تھا کہ اس کے ستر ہزار روپے جو اس نے شلوار والی جیب میں چھپا رکھے تھے۔ نکل گئے ہیں۔ وہ تو شکر ہے کہ اس وقت وہی تھا ورنہ میرے چلنے پر سب کی شک بھری نگاہیں مجھ پر ہی مرکوز ہو جاتیں۔

''دیکھو بھائی مجھے لیٹ ہو رہی ہے۔'' میں نے سب کے سامنے اس نوجوان کو مخاطب کر کے کہا۔

''اگر تمہیں کسی بھی قسم کا مجھ پر شک ہے تو میں اس وقت تمہارے پاس ہوں۔ اپنی تسلی کر لو۔''

''معاف کرنا بھائی۔'' وہ نوجوان چشم نم بہاتے ہوئے بولا

''میں جانتا ہوں کہ وہی کمینی مجھے دھوکہ دے گئی ہے۔ میرے پیسے اسی نے نکال لیے ہیں۔''

پھر اس نے مجھے بری الذمہ قرار کر دیا۔ پھر وہ غصے سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے اس دوشیزہ کو گالیاں بکنے لگا اور ساتھ ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ دوسری طرف گاڑی اپنی منزل کی جانب چل پڑی۔

''آہ.....میں نے کتنا بڑا دھوکہ کھایا ہے.....لیکن اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں ہے۔''

نوجوان پاؤں پھیلا کر سٹاپ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ میں نے ایک نگاہ اس لڑکے پر ڈالی اور بیگ اٹھا کر کندھے سے لٹکا کر اپنی منزل کی جانب چل پڑا۔ سچ کہتے ہیں کہ جو بھی ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے۔

محمد ابو ہریرہ بلوچ.....بہاولنگر

0308-6232271

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

بچوں کا کارنر

انچارج: غلام یسین نوناری

تباہی کا سامان

اقصیٰ پیاسحر۔ گجرات

یاسر شاپ سے نکل کر گھر جارہا تھا کہ اس کو راستے میں رضا مل گیا۔ یاسر نے رضا سے ہاتھ ملا کر حال دریافت کیا۔ ''کیسے ہو تم پیارے اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟''

''یہ..... یہ تو کالنگ کارڈ ہے۔ اس کو سپر کارڈ کہتے ہیں۔'' یاسر نے بتایا۔

''کیا مطلب میں سمجھا نہیں.....؟'' رضا نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

''برا مت ماننا دوست یہ تو ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔'' یاسر نے رضا کی بات کو پس پشت ڈالتے ہوئے کہا

''کیا مطلب.....؟'' رضا انگشت بدنداں آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو کھل کر کہو۔''

''اس سے ہم لوگ انٹرنیٹ پہ فیس بک، یوٹیوب اور بہت کچھ استعمال کر سکتے ہیں۔'' یاسر نے باچھیں پھیلاتے ہوئے بتایا۔

''یہ کالنگ کارڈ ایک طرح سے تباہی کا سامان ہے۔'' رضا نے بتایا۔ ''وہ ایسے کہ ہم اس سے انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں۔ سوشل میڈیا، یوٹیوب پہ ویڈیوز وغیرہ دیکھتے ہیں اور یوں ہمیں فکر لاحق ہوتی ہے کہ ہم نے اس پہ پیسے لگائے ہیں کہیں یہ ضائع ہی نہ ہو جائے۔ اس ڈر سے چوبیس گھنٹے انٹرنیٹ میں گھسے رہتے ہیں اور انٹرنیٹ واحد وہ بلا ہے جو ہمارے اخلاق، ایمان اور حیا جیسی نعمتوں کو کھا جاتا ہے۔ اور یہ کالنگ کارڈ ہی ہے جو اس سب کا سبب بنتا ہے۔''

اتنا کہہ کر رضا مسکرانے لگا جبکہ یاسر شرمندہ ہو گیا۔ وہ الٹے پاؤں شاپ کی طرف چل پڑا۔ کیوں کہ اسے بھی سمجھ آ گئی تھی کہ رضا اسے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس لیے اس نے کارڈ کو واپس کر کے دوبارہ انٹرنیٹ کو استعمال کرنے سے توبہ کرلی تھی۔اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب دوبارہ کبھی وہ ان کاموں میں نہیں پڑے گا۔کیونکہ جب سے وہ انٹرنیٹ استعمال کرنے لگا تھا نماز،روزہ اور دوسرے دینی کاموں کے لیے اس کے پاس وقت ہی کہاں بچا تھا اور جب کوئی اس سے اس بارے میں بات کرتا تھا۔تو وہ تہذیب سے ہٹ کر اور نجانے انہیں کیا کیا سنا دیتا تھا لیکن رضا کی چند باتوں نے اس کی عقل ٹھکانے لگا دی تھی۔اسے اپنی غلطی کا پتہ چل چکا تھا۔

اللہ دیکھ رہا ہے

کشف بلوچ۔ڈیرہ اسماعیل خان

''مس میرا نیا پین کسی نے چوری کرلیا ہے۔'' بریک کے بعد مس صبا جیسے ہی اپنی کلاس میں دوبارہ آئی شانزہ نے روتے ہوئے انہیں بتایا۔

شانزہ کو وہ پین اس کے ماموں نے اس کی سالگرہ کے موقع پر گفٹ دیا تھا۔آج صبح ہی شانزہ نے پوری کلاس کو خوشی خوشی وہ پین دکھایا تھا۔

''بیٹا ایسی کرو ایک بار پھر اپنے بیگ میں اچھی طرح سے دیکھ لو۔'' مس شانزہ نے اس کے گال سہلاتے ہوئے کہا۔''ممکن ہے کہ وہ پین تمہارے بیگ میں ہی ہو۔''

''مس میں اپنا بیگ کتنی ہی بار چیک کر چکی ہوں۔'' شانزہ نے بتایا۔''لیکن یقین مانیے پین اس کے اندر نہیں ہے۔اگر آپ کو یقین نہیں ہے تو اپنی تسلی کر سکتی ہیں۔''

Downloaded from https://paksociety.com

صبا کے لہجے سے معصومیت عیاں تھی۔ مس صبا نے شانزہ کو ایک بار پھر پیار دیا اور پوری کلاس پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ سب بچے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

''تمام بچے اپنے اپنے بیگ دیکھیں۔'' مس صبا نے بلند آواز سے کہا تو سب بچوں نے مس صبا کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''اگر تم میں سے کسی نے شانزہ کا پین اٹھایا ہے یا کسی کو اس کے بارے میں پتہ ہے تو وہ فوراً مطلع کرے علاوہ ازیں سب کو سزا ملے گی۔''

مس صبا کی بات سن کر سب بچے تیورا گئے لیکن کسی کے پاس پین ہوتا تو شانزہ کو ملتا۔ سب بچوں کے بستوں کی تلاشی لی گئی لیکن بے سود.....۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے مس صبا نے پوری کلاس کو مخاطب کیا۔

''پیارے بچوں میں نے کتنی ہی بار تم لوگوں کو بتایا ہے کہ چوری کرنا سنگین جرم ہے۔ جو بھی چوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اگر تم میں سے کسی نے شانزہ کا پین اٹھایا ہے تو وہ ابھی سوری کر کے اسے واپس کر دے۔''

مس صبا کی بات سن کر پوری کلاس خاموش بیٹھی رہی۔ یہ دیکھ کر مس صبا کا پارہ ہائی ہو گیا۔

''ٹھیک ہے اگر آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ شانزہ کا پین کس نے چوری کیا ہے تو پھر میں کلاس روم میں لگے ''خفیہ کیمرے'' سے دیکھ لوں گی کہ چور کون ہے؟''

مس صبا کی بات سن کر سب بچوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا جیسے ایک دوسرے کو تنبیہہ کر رہے ہوں کہ اگر تم نے پین اٹھایا ہے تو فوراً سے بھی پیشتر وہ پین ان کے حوالے کر کے سوری کر دو ورنہ کڑی سزا تمہیں ملے گی۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

''آپ لوگوں کے پاس پانچ منٹ ہیں۔''مس صبا ایک بار پھر گویا ہوئی۔''میں سٹاف روم میں جارہی ہوں۔ مجھے فوراً آ کر بتادو ورنہ میں وہ ویڈیو پرنسپل صاحب کو اور جس بچے نے پین اٹھایا ہوگا اس کے والدین کو دکھادوں گی۔ پھر اس بچے کو سکول سے فارغ کردیا جائے گا۔''

اتنا کہہ کر مس صبا کلاس روم سے باہر نکل گئی۔ تمام بچے دوبارہ اپنا اپنا بیگ چیک کرنے لگی جبکہ ایک کونے میں براجمان سمیرا یہ بات سن کر پریشان ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ چپکے سے پانی پینے کے بہانے نکل اور سیدھی سٹاف روم میں چلی گئی۔

''مس مجھے معاف کردیں پلیز۔''اس نے سٹاف روم میں داخل ہوتے ہوئے روتے ہوئے کہا۔ مس صبا نے بھنویں اچکاتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

''شانزہ کا پین میں نے صبح چوری کرکے باہر گملے میں چھپادیا تھا کیونکہ وہ پین مجھے بہت پسند آیا تھا۔ پلیز میرے ممی، پاپا کو کچھ مت بتایئے گا۔'

مس صبا معصوم شانزہ کی بات سن کر زیرلب مسکرادیں اور پھر اسے اپنے پاس بلایا اس کی پیشانی سے بوسہ لیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"مجھے خوشی ہوئی بیٹا کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔" مس صبا نے شانزہ کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"اپنے والدین اور خفیہ کیمرے کے ڈر سے تم نے سچ بتایا لیکن بیٹا تم چوری کرتے وقت یہ بات کیوں بھول گئی تھی کہ "اللہ دیکھ رہا ہے۔" تمہیں یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ تمہاری اس حرکت سے اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو جائیں گے۔"

مس صبا کی بات سن کر شانزہ کا سر شرمندگی سے جھک گیا۔ شانزہ نے مس صبا سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ چوری نہیں کرے گی۔

جس پر مس صبا نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ یہ بات اب کسی کو نہیں بتائے گی۔

درحقیقت کمرے میں کوئی خفیہ کیمرا نہیں تھا لیکن بچوں کے اندر اس بیماری کا جراثیم پھیل نہ جائے اس ڈر سے انہوں نے یہ ترکیب سوچی تھی اور پھر اس میں اچھی خاصی کامیاب بھی ہوگئی تھیں۔ یوں ان کی ترکیب کے باعث شانزہ جیسی معصوم پری پیکر بچی کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ اس لیے پیارے بچوں زندگی میں کبھی بھی کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں کیونکہ کوئی دیکھے نہ دیکھے "اللہ دیکھ رہا ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

آسمان پر کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔وقفے وقفے سے آسمانی بجلی چمک رہی تھی۔زوروں کی بارش برس رہی تھی۔ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دینے والا اندھیرا ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ رات کی اس تاریکی اور بارش میں ایک نوجوان لڑکا سڑک پر پیدل آرہا تھا۔سڑک کچی تھی۔وہ بالکل احتیاط کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔اس کا نام عبدالوکیل تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

عبدالوکیل ایک دوست کی شادی پر گیا تھا۔وہ واپس اپنی بائیک پر آرہا تھا کہ راستے میں بارش شروع ہوگئی ۔وہ موٹر سائیکل احتیاط سے چلاتا ہوا اپنے ماموں کے گھر تک پہنچ چکا تھا۔حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اس نے بائیک وہیں کھڑی کی اور پیدل اپنے گھر کی طرف چل دیا۔وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا۔بجلی ایک بار پھر چمکی تو اس کی نظر سامنے کھڑے درخت پر پڑی جو کہ سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔اس درخت سے نحوست سی ٹپک رہی تھی۔نجانے کیوں اس درخت کو دیکھ کر اس کے دل میں کچھ خوف سا بیٹھ گیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا درخت کے قریب پہنچ گیا۔اب وہ درخت کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ بجلی ایک بار پھر چمکی اور اس نے نہایت ہی خوفناک منظر دیکھا۔خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔آگے سڑک لال تھی۔ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے پوری سڑک پر خون کی بارش کر دی ہو۔

عبدالوکیل نے آہستہ آہستہ نگاہ اٹھا کر اوپر درخت کو دیکھا تو اس کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی۔کیونکہ درخت کے پتوں سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھی۔یہ منظر دیکھکر اس کی گھگھی بندھ گئی تھی۔پھر اچانک وہ درخت زور زور سے ہلنے لگا۔دوسرے ہی لمحے درخت ایک دھماکے سے اکھڑ کر دور جا گرا۔یہی نہیں عبدالوکیل کی دلخراش چیخ ایک بار پھر ساکت فضا کا سینہ چیرتی ہوئی چلی گئی۔جس جگہ سے درخت اکھڑ کر دور جا گرا تھا۔وہاں ایک گہرا گڑھا بن گیا تھا۔عبدالوکیل نے اس گڑھے میں نگاہ دوڑائی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔اس گڑھے کے اندر ایک عورت کی لاش پڑی تھی۔وہ لاش جگہ جگہ سے گل سڑ چکی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

یکبارگی عبدالوکیل نے جومنظر دیکھا اسے دیکھ کر اسے اپنی بینائی پر بے یقینی سی ہونے لگی۔اس نے دیکھا کہ لاش نے حرکت کرنا شروع کر دی تھی اور دوسرے ہی لمحے سماعت شکن قہقہے مارتی ہوئی وہ لاش اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاہاہا.....آخر میں آج آزاد ہو ہی گئی۔''لاش نے قہقہہ ہانکتے ہوئے کہا۔

اس کی خوفناک آواز نے خاموش فضا کا سینہ چاک کیا۔عبدالوکیل کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے اٹک کر رہ گئی تھی۔وہ بھاگنا چاہتا تھا لیکن اسے یوں لگا جیسے ان دیکھی زنجیروں نے اس کے پاؤں جکڑ لیے ہوں۔موسم میں خنکی پھیل جانے کے باوجود اس کا پورا وجود پسینے میں تر بتر ہو چکا تھا۔

قہقہے لگاتی لاش کی نگاہ ایک دم سے عبدالوکیل پر مرکوز ہو گئی اور اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا کہ''تو تم ہو وہ جس خون مجھے پینا ہے.....ہاہاہا.....آج میں تمہارا خون پی کر ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاؤں گی۔''

''لل.....لیکن.....تت.....تم.....کک.....کو.....ن.....ہو؟''عبدالوکیل نے خوف سے تھر تھر کانپتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے لفظوں کی مالا پروتے ہوئے پوچھا۔

''ہاہاہا.....میں شلالا جادوگرنی ہوں۔''اس نے بتایا۔''آج سے دس سال پہلے میرا ایک جادوگر کے ساتھ مقابلہ ہوا تھا۔وہ میرا دشمن تھا۔اس کا نام حشام جادوگر تھا۔اس نے مجھے یہاں قید کر دیا تھا۔میں نے اپنے شیطان آقا سے مدد طلب کی تو اس نے کہا کہ یہاں سے اماوس کی رات کو ایک نوجوان لڑکا گزرے گا۔وہ رات طوفانی رات ہو گی۔ہر طرف خون کی بارش ہو گی۔

Downloaded from https://paksociety.com

جب وہ یہاں سے گزرنے لگے گا تو تم تھوڑی دیر کے لیے آزاد ہو جاؤ گی۔اس وقت اگر تو نے اس لڑکیک کا خون پی لیا تو تم آزاد ہو جاؤ گی اور تمہاری شکتیاں بھی بڑھ جائیں گی۔اس دن سے میں تمہارا انتظار کر رہی ہون۔یہاں یہ درخت اگ آیا تھا۔آج پورے دس سال بعد تم یہاں سے گزرے ہو۔میں تمہارا خون پی کر اب یہ قید ختم کر دوں گی۔''

''لیکن میں تمہیں اپنا خون نہیں پینے دوں گا۔'' پہلی بار عبدالوکیل نے تمام تر ہمت یکجا کر کے کہا۔

دوسرے ہی لمحے عبدالوکیل نے بآواز بلند آیت الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔تبھی اسے یوں لگا جیسے اس کے پیروں سے جکڑی آہنی زنجیریں یک لخت ختم ہوگئی ہوں۔اس نے اپنے گھر کی طرف تیز رفتار سے دوڑنا شروع کر دیا۔شلالا چڑیل نے اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔تبھی بھاگتے بھاگتے یک لخت عبدالوکیل کا پاؤں پھسلا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے دھڑام سے گرا۔اس کے منہ سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔

اس دوران اس نے ورد کرنا بند کر دیا اور اٹھنے کی سعی کرنے لگا۔اتنی دیر میں شلالا چڑیل اس کے سر پر پہنچ گئی۔اس سے قبل کہ وہ دوبارہ ورد کرتا شلالا نے اسے جکڑ کر اس کی گردن میں یک لخت اپنے تیز دھار دانت کھبو دیئے۔اس کے منہ سے ایک بار پھر سماعت شکن چیخ نکلی لیکن جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا اور بآواز بلند آیت الکرسی پڑھنے لگا۔اس دوران اس نے ورد کرنا بند کر دیا اور اٹھنے کی سعی کرنے لگا۔اتنی دیر میں شلالا چڑیل اس کے سر پر پہنچ گئی۔اس سے قبل کہ وہ دوبارہ ورد کرتا شلالا نے اسے جکڑ کر اس کی گردن میں یک لخت اپنے تیز دھار دانت کھبو دیئے۔اس کے منہ سے ایک بار پھر سماعت شکن چیخ نکلی لیکن جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا اور بآواز بلند آیت الکرسی پڑھنے لگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے آیت الکرسی پڑھنے کی دیر تھی کہ شلالا چڑیل کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ کئی فٹ دور جا گری۔عبدالوکیل نے ایک بار پھر دوڑنا شروع کر دیا۔تبھی اسے اپنی پشت پیچھے سے شلالا چڑیل کے قہقہے سنائی دیئے تو وہ رک گیا اور پیچھے دیکھنے لگا۔

''ہاہاہا.....اب تو بے شک بھاگ جا لیکن میں نے تمہارا خون چکھ لیا ہے۔''شلالا چڑیل خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے بولی۔''اب میں آزاد ہو چکی ہوں۔اب میں اپنے دشمن حشام کا قلع قمع کر کے رکھ دوں گی۔''

عبدالوکیل نے ایک بار پھر آیت الکرسی پڑھتے ہوئے بھاگنا شروع کر دیا۔اس کی سانس بری طرح سے پھول چکی تھی۔وہ گھر کے دروازے پر پہنچ کر ایک دم دروازے پر گرا۔اس کا وزن دروازے پر پڑا تو دروازہ دھڑام سے کھلا جب کہ وہ آدھا گھر کے اندر اور آدھا گھر کے باہر آن گرا۔اس کے گھر والے بھاگم بھاگ اندر سے باہر آئے اور اگلا منظر دیکھ کر ان کی حیرت ہویدہ رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

جب عبدالوکیل کو ہوش آیا تو اس نے خود کو اپنے گھر اپنے بستر پر پڑا ہوا پایا۔سارے گھر والے اس کے اردگرد مجتمع تھے اور اسے سوالیہ آنکھوں سے گھور رہے تھے۔اس نے ذہن پر زور دیا تو اس کو سب کچھ یاد آ گیا۔اس نے ایک جھرجھری لی۔

''بیٹا رات تجھے کیا ہوا تھا.....؟''اس کے باپ نے پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

گویا اسے بے ہوش ہوئے کافی وقت بیت چکا تھا۔اس نے سوچا اور پھر ساری داستان گھر والوں کو سنائی۔لیکن کوئی بھی اس کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔پھر اس نے اپنی گردن پر شلالا چڑیل کے دانتوں کے نشان دکھائے۔

اس دن کے بعد اس گاؤں میں کسی نہ کسی کی ادھڑی ہوئی لاش ملنے لگی۔سب کی گردنوں پر دانتوں کے نشان ہوتے گویا ان کے جسموں سے لہو کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا جاتا تھا۔پورے گاؤں میں خوف و ہراس پھیل چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

چاروں طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔یہ ایک گھنا جنگل تھا۔اندھیرے میں بڑے بڑے درخت ایسے لگ رہے تھے۔جیسے کوئی دیو کھڑے ہوں۔اس جنگل کے بیچوں بیچ ایک جھونپڑی تھی۔اس جھونپڑی میں تھوڑی تھوڑی روشنی تھی۔وہ روشنی اس جھونپڑی کے اندر لگی آگ سے پیدا ہو رہی تھی اس آگ کے سامنے ایک خوفناک چہرے والا سادھو بیٹھا تھا۔جس کی عمر لگ بھگ ساٹھ ستر سال کے قریب ہوگی۔اس ک حالت دیکھ کر ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ بہت عرصے سے نہایا تک نہ ہو۔وہ آگ کے سامنے بیٹھا کوئی منتر آلاپ رہا تھا۔پھر اچانک زور زور سے ہوا چلنے لگی۔درخت زور زور سے ہلنے لگے۔اس ہوا میں ایک خنجر سنسناتا ہوا آ رہا تھا۔وہ خنجر سادھو کے قریب آ کر رک گیا۔سادھو نے آنکھیں کھولیں۔

اس کی آنکھیں خون کی طرح لال تھیں۔وہ خنجر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بولا:

Downloaded from https://paksociety.com

''آج میں کامیاب ہوگیا۔ یہ شیطانی خنجر میرے قبضے میں ہے۔ یہ خنجر میرا حکم سن سکتا ہے۔ میں اسے جو حکم دوں گا یہ میرے حکم کی تعمیل کرے گا۔ میں اس خنجر کی مدد سے اب پوری دنیا پر حکمرانی کروں گا..... ہاہاہاہا..... میرا برسوں پرانا سپنا پورا ہوگیا۔ آج میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔''

عین اس وقت نجانے کہاں سے ایک دوسرا خنجر سنسناتا ہوا آیا اور اس کے پیٹ میں گھس گیا۔ اس کے منہ سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔ اس سب کے لیے وہ قطعاً تیار نہ تھا۔ اس لیے اس دوسرے خنجر نے اسے سنبھلنے تک کا موقع نہ دیا تھا۔ وہ درد سے تڑپنے لگا۔ عین اسی وقت شلالا جادوگرنی اس کی جھونپڑی میں حاضر ہوگئی۔ شلالا کو دیکھ کر وہ سادھو خوفزدہ رہ گیا اور اس کے منہ سے حیرت کے مارے نکلا:

''تم پھر سے کیسے زندہ ہوگئی.....؟''

''میں نہ صرف زندہ ہوچکی ہوں بلکہ اب تمہیں مار کر اپنا انتقام بھی لوں گی۔'' شلالہ نے بتایا۔

''تم نے مجھے مار کر اچھا نہیں کیا۔'' وہ جادوگر بولا۔ ''یہ خنجر میرا غلام تھا لیکن اب یہ آزاد ہوگیا۔ اب یہ دنیا میں تباہی مچادے گا۔ یہ سب کچھ ختم کردے گا۔''

اتنا کہہ کر اس کی گردن ایک طرف لڑھک گئی۔ دوسرے ہی لمحے تیز طوفانی ہوا چلنے لگی اور وہ خنجر یک لخت شلالا کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔ اس سے پہلے کہ خنجر اس تک پہنچتا وہ فوراً غائب ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

عبدالوکیل کے حلق سے سماعت شکن چیخ نکلی اور وہ اٹھ بیٹھا۔ اس کا پورا وجود پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ ''تو یہ خواب تھا۔'' عبدالوکیل نے اپنے آپ سے کہا۔ وہ لمبے لمبے سانس لیتا ہوا ایک بار پھر سو گیا۔ صبح اٹھ کر وہ تیار ہو کر اپنے ایک دوست سے ملنے جارہا تھا۔ جو ساتھ والے گاؤں میں رہتا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ بائیک پر جارہا تھا کہ یکبارگی تیز ہوا چلنے لگی۔چاروں طرف گردوغبار پھیل گیا۔ہوااس قدر تیز تھی کہ عبدالوکیل کو بائیک روکنا پڑی۔اس گردوغبار میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ایسا لگتا تھا جیسے طوفان آ گیا ہو۔پھر اچانک ہوا کا زور ٹوٹنے لگا اور کچھ ہی دیر میں سارا گردوغبار ختم ہوگیا۔ایسے لگتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ایک بار پھر وہ بائیک سٹارٹ کرنے لگا کہ اس کی نظر دور سڑک پر پڑی۔دو آدمی گرے پڑے تھے۔ایسے لگتا تھا جیسے ان میں جان ہی نہ ہو۔

اسے یاد آیا کہ یہ دونوں آدمی تو ابھی طوفان آنے سے پہلے پیدل سڑک کے کنارے جارہے تھے۔عبدالوکیل کو سڑک پر خون پھیلتا ہوا نظر آیا وہ بائیک سے اترا اور بائیک کھڑی کر کے ان کی طرف بڑھا۔ان کے قریب پہنچ کر اس نے انہیں غور سے دیکھا۔انکا گلہ کتا ہوا تھا۔ان کے گلے سے خون نکل رہا تھا۔ایسا لگتا تھا جیسے انہیں ابھی مارا گیا ہو۔گلہ بالکل باریک آلے سے کاٹا گیا تھا۔جیسے خنجر سے کاٹا گیا ہو۔اسے رات والا خواب یاد آ گیا۔تو کیا وہ خواب سچا تھا۔اس نے سوچا۔لیکن مجھے کچھ کیوں نہیں ہوا۔اس خنجر نے مجھے کیوں نہیں مارا۔اس نے اپنے گلے پر ہاتھ پھرا تو اس کے گلے میں پہنا تعویذ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔یہ تعویذ اس کی ماں نے اسے اس دن پہنایا تھا۔جس دن وہ بے ہوش ہوا تھا۔

عبدالوکیل وہیں سے پیچھے ہٹ گیا اور گاؤں والوں کو مرنے والوں کی خبر دی۔گاؤں والے اس کے ساتھ آئے اور ان لوگوں کو دیکھا۔وہ اس گاؤں کے باسی نہیں تھے۔گاؤں والوں نے انہیں جنازہ پڑھا کر امانتی طور پر گاؤں کے قبرستان میں دفن کر دیا تھا۔اب گاؤں کے لوگوں میں خوف وہراس پہلے سے زیادہ پھیل چکا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

عبدالوکیل سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔تبھی اسے پتہ چلا کہ قریبی گاؤں میں کوئی اللہ والا ہے۔بہت پہنچا ہوا آدمی ہے۔وہ فوراً اس کے ہاں پہنچ گیا۔اس کے ہاں پہلے ہی لوگوں کا جم غفیر جمع تھا۔ایک ایک کر کے آخر اس کی بھی باری آ گئی۔جب وہ اس بزرگ کے حجرے میں داخل ہوا۔تو وہ بزرگ اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''تم نے بہت اچھا کیا کہ آ گئے۔''بزرگ نے کہا تو عبدالوکیل نے حیرت سے بزرگ کو دیکھا۔

''شیطانی خنجر اور شلالا دونوں نے بہت تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔پہلے تم نے شیطانی خنجر کو تباہ کرنا ہے اور پھر شلالا کو۔''

''لیکن میں انہیں کیسے ختم کروں گا.....؟''عبدالوکیل نے پوچھا۔''وہ دونوں شیطانی طاقتیں رکھتے ہیں۔''

''تمہارے جسم میں میں روحانی طاقتیں داخل کر دوں گا۔''بزرگ نے بیٹھتے ہوئے کہا اور عبدالوکیل بھی بیٹھ گیا۔

''ویسے تو وہ خنجر کسی کو دکھائی نہیں دیتا کیونکہ ہر طرف گرد و غبار پھیل جاتا ہے لیکن میں تمہیں ایک آیت یاد کرواتا ہوں وہ جیسے ہی تم پڑھو گے ہر طرف موسلا دھار بارش شروع ہو جائے گی اور سب کچھ تم پر عیاں ہو جائے گا۔گرد و غبار کے ختم ہونے سے خنجر کی آدھی طاقت ختم ہو جائے گی۔''

پھر اس بزرگ نے شلالا اور خنجر کو ختم کرنے کا اسے طریقہ سمجھایا۔ساتھ میں وہ آیت بھی یاد کروائی جسے دوہرا کر وہ خنجر کی آدھی طاقت کو ختم کر سکتا تھا۔پھر اسے ایک تلوار دی جس سے شلالا کی گردن تن سے جدا کرنا تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

Shaheen Digest Online Sillanwali, Sargodha.

عبدالوکیل نے واپسی کی راہ لی۔ابھی وہ گاؤں سے تھوڑا دور تھا کہ اس نے گردوغبار کو اپنے گاؤں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اس نے بائیک کی رفتار تیز کردی۔ساتھ ہی اس نے بزرگ کی بتائی ہوئی آیت کی تلاوت شروع کی تو یک لخت آسمان بادلوں سے بھر گیا اور بارش شروع ہوگئی۔عبدالوکیل کے پہنچنے تک گردوغبار ختم ہوگیا تھا اور اسے خنجر واضح دکھائی دے رہا تھا جو تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔اس نے سرعت سے بائیک سے اتر کر تلوار سنبھال لی۔جیسے ہی خنجر قریب آیا عبدالوکیل زور سے چلایا:

''اے شیطان! تو مجھے ایسے نہیں مار سکتا۔مجھ سے مقابلہ کر۔''

اس کا اتنا کہنا تھا کہ خنجر جہاں تھا وہیں رک گیا۔دوسرے ہی لمحے خنجر بجلی کی سی سرعت سے اس کی طرف بڑھا تو عبدالوکیل نے فوراً تلوار سامنے کرلی۔خنجر سیدھا آکر تلوار سے ٹکرایا اور دور جا گرا۔عبدالوکیل نے سرعت سے آگے بڑھ کر بزرگ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس خنجر کے چہار سو ایک حصار باندھ دیا۔وہ خنجر ہوا میں معلق ہوتا اور جیسے ہی حصار سے باہر نکلنے کی سعی کرتا حصار سے ٹکرا کر واپس جا گرتا۔عبدالوکیل متواتر اس حصار کے گرد چکر کاٹتا رہا اور اس قرآنی آیت کی تلاوت کرتا رہا۔جب بزرگ کی بتائی ہوئی تعداد کے مطابق اس نے ورد دہرالیا تو اس نے کھڑے ہوکر خنجر پر پھونک ماری تو خنجر کو یک دم آگ لگ گئی۔اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ان گنت مرد اور عورتیں مل کر بین کررہی ہوں۔جلد ہی وہ خنجر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اب عبدالوکیل کو شلا لا کو ختم کرنا تھا۔ بزرگ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق وہ رات کے وقت گھر سے نکلا اور سیدھا اس درخت کے پاس جا پہنچا۔ جہاں سے شلا لا کو رہائی ملی تھی۔ اس نے درخت کے اردگرد چکر کاٹنے شروع کر دیئے۔ یک دم شلا لا اس کے سامنے آ گئی۔

''لگتا ہے تمہیں اپنی زندگی پیاری نہیں ہے۔'' شلا لا نے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' عبدالوکیل غصے سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے بولا۔

دوسرے ہی لمحے جیسے ہی اس نے تلوار والا ہاتھ لہرا کر شلا لا پر وار کرنا چاہا۔ شلا لا نے سرعت سے پاؤں اس کے سینے میں مارا اور وہ دور جا گرا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف جا گری۔ شلا لا نے عبدالوکیل کی طرف بڑھنا شروع کیا اور اس کے قریب پہنچ کر اسے اٹھا کر سر سے اوپر بلند کیا اور ایک بار پھر اسے زور سے ایسے پھینکا جیسے غلیل سے کنکرے پھینک جاتے ہیں۔ اتفاق کہ عبدالوکیل تلوار کے پاس جا گرا۔ اس نے دائیں ہاتھ کی گرفت تلوار پر مضبوط کر لی اور لیٹا رہا۔ شلا لا نے اس کے قریب پہنچ کر جھک کر جیسے ہی اسے اٹھانا چاہا دوسرے ہی لمحے اس نے برق رفتاری سے ہاتھ ہلایا اور شلا لا کا جسم دو حصوں میں بٹ گیا۔ شلا لا کی آنکھوں میں حیرت عیاں تھی۔ اس کے جسم کے دونوں ٹکڑے ادھر ادھر گر گئے اور ان کو فوراً آگ لگ گئی۔

عبدالوکیل فوراً گاؤں پہنچا اور جب اس نے رات کے وقت سب گاؤں والوں کو اٹھا کر خونی خنجر اور شلا لا کے خاتمے کی خبر سنائی تو سب کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں اور سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے۔